تقریب النووی

کی آسان اردو شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مرتب

مولانا محمد جنید الیاس

مکتبۃ الاسلام کراچی

تقریب النووی

کی آسان شرح

تقریب النووی

کی آسان شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مرتب

مولانا محمد جنید الیاس

مکتبۃ الاسلام کراچی

باہتمام : شاہد محمود

ناشر : مکتبۃ الاسلام کراچی

کورنگی، انڈسٹریل ایریا کراچی

موبائل : 0300-8245793

ای میل : Maktabatulislam@gmail.com

ویب سائٹ : www.maktabatulislam.com

ملنے کا پتہ

ادارۃ المعارف کراچی

احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی

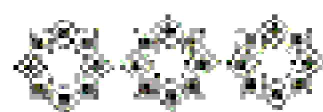
موبائل : 0300- 2831960

فون : 021- 35032020 ، 021- 35123161

ای میل : Imaarif@live.com

فہرستِ مضامین

تمّت



پیش لفظ

الحمد للہ ربّ العٰلمین والعاقبۃ للمتّقین

والصّلٰوۃ والسّلام علٰی رسولہٖ الکریم

محمّد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امّا بعد!

فاضلِ دارالعلوم کراچی مولانا محمد جنید بن الیاس صاحب نے ۱۴۳۰ھ میں ناچیز کا " تقریبُ النّوَوِی" کا درس قلمبند کیا، اور احقر کو دکھایا، جو احقر کو پسند آیا، احقر نے اس کو از سرِ نو مرتب کرنے کے لئے کہا اور اس میں چند اُمور پیشِ نظر رکھنے کا مشورہ دیا، تا کہ یہ درس زیادہ سے زیادہ آسان، عام فہم اور مفید ہو، ماشاء اللہ موصوف نے ان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے خوش اسلوبی اور سلیقہ سے اس کو دوبارہ مرتب کیا اور مجھے دکھاتے رہے، اس طرح اس کی تکمیل ہوئی۔

پھر ۱۴۳۲ھ میں " تقریبُ النّوَوِی " کا سبق دوبارہ احقر کے پاس آیا تو اس پر مزید نظرِ ثانی کا موقع ملا، پھر موصوف اور دیگر احباب کا تقاضا ہوا کہ اس کو شائع کرنا چاہیے، تا کہ طلباء اس سے فائدہ اُٹھا سکیں، بندہ کو بھی ان کی فرمائش پسند آئی، بندہ نے اس کا نام تقریبُ النّوویؒ کی آسان شرح رکھا ہے۔

اسکی ترتیب واشاعت محض حق تعالیٰ کا فضل ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت وکاوش کو قبول فرمائیں اور طلباء واساتذہ کے لئے اس کو زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید بنائیں اور صدقۂ جاریہ بنائیں۔

آمین بحرمة سيّد المرسلين محمّد و آله و أصحابه

أجمعين إلى يوم الدّين

بندہ عبدالرؤف سکھروی

خادم طلبہ جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدلله و کفٰی وسلام علی عبادہٖ الذین اصطفٰی

اَمّابعد!

آج سے تقریباً تین سال پہلے ۱۴۳۰ھ میں جب بندہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا تو "تدریبُ الرّاوی" کا درس استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالروف سکھروی صاحب دامت برکاتہم دیا کرتے تھے، اللہ رب العزت نے حضرت اُستاذِ محترم کو وہ ذہانت وفطانت، ذوقِ تحقیق اور علمی رُسوخ عطا فرمایا ہے کہ دورانِ درس طویل اور پیچیدہ مباحث کو ایسے آسان اور مختصر انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ اشکال وجواب کی نوبت ہی نہیں آتی، اور مشکل ترین مباحث کو چٹکیوں میں حل فرمادیتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ، آمین

اس وقت میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں اُستاذِ محترم کا یہ درس قلمبند کروں، چنانچہ میں نے اُستاذِ محترم کا درس قلم بند کیا، اور اس کی تکمیل پر اُسے اُستاذ محترم کے سامنے پیش کیا، حضرت اُستاذِ محترم نے اسے بہت پسند فرمایا اور میری حوصلہ افزائی کی اور بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ آپ اسے دوبارہ اچھی طرح ترتیب دیں اور تخریج احادیث کا بھی اہتمام کریں تاکہ یہ کتاب طلبہ کے لئے مزید نافع اور مفید ہوجائے۔

اُستاذِ محترم کے کہنے پر میں نے اسے دوبارہ صحیح انداز میں مرتب کیا اور اس

کام میں میرے ایک قریبی ساتھی مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب تشتانی نے بھی میری مدد کی اورقدم بہ قدم اُستاذ محترم کی رہنمائی بھی شاملِ حال رہی۔

بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل اور اُستاذِ محترم کی شفقت وراہنمائی اوروالدین کی دعاؤں سے اللہ پاک نے اس کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، آج تقریبُ النّووی کی آسان شرح آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت اُستاذِ محترم کے فیض کو عام فرمائے، ہمیں ان سے مستفیض ہونے کی توفیق دے اور اس کتاب کو طلبہ اور اساتذۂ کرام کے لئے نافع اور مفید بنائے، میرے اور میرے والدین اور استاذ محترم کے لئے اسے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

محمد جنید بن محمد الیاس
امام بانو مسجد کورنگی نمبر ۶
۲۵/۱/۱۴۳۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ!

تمہید

کتاب کی ابتداء میں چند تمہیدی باتوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱)....علمِ اُصولِ حدیث کی تعریف

(۲)....موضوع

(۳)....غرض وغایت

(۴)....تعارفِ کتاب

(۵)....حالاتِ مصنّف اور شارح

(۱)....علمِ اُصولِ حدیث کی تعریف

"هُوَ عِلْمٌ بِقَوَانِيْنَ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ السَّنَدِ وَ الْمَتْنِ مِنْ حَيْثُ الْقُبُوْلِ والرَّدِّ"

ترجمہ

علمِ اُصولِ حدیث ان قوانین کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے سند اور متن کے حالات قبول کرنے اور رد کرنے کی حیثیت سے معلوم کئے جائیں۔

(۲)....موضوع

علمِ اصولِ حدیث کا موضوع سند اور متن ہیں، من حیث القبول و الرّد. اس حیثیت سے کہ ان کو قبول کیا جائے یا رد کیا جائے۔

(۳)....غرض وغایت

غرض وغایت اس کی یہ ہے کہ انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہو جائے جس سے وہ صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کر سکے تا کہ صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور ضعیف اور مردود حدیث سے بچا جائے۔

(۴)....تعارفِ کتاب

اس کتاب کا نام "تدریب الراوی فی شرح تقریب النَّوَوی" ہے، یہ کتاب دو کتابوں کا مجموعہ ہے:

(۱)....تقریب النووی (۲)....تدریب الراوی

(۱)....تقریب النووی

اس کا پورا نام "التقریب و التیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر" ہے، جو "تقریب النووی" کے نام سے مشہور ہے، اور یہ متن ہے جس کو شیخ الاسلام محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف النوویؒ نے علامہ ابن الصلاحؒ کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" سے جو "مقدمه ابن الصلاح" کے نام سے مشہور ہے، تلخیص کی ہے۔

مقدمہ ابن الصلاح کا تعارف

فنِ اصولِ حدیث میں علماءِ متقدمین ومتاخرین کی بکثرت تصانیف موجود

ہیں، اس فن میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد الرَّامَهُرْمُزِیؒ نے "المحدث الفاصل" نامی کتاب لکھی، اس کے بعد حاکم ابوعبداللہ نیشاپوریؒ نے "معرفۃ علوم الحدیث" تصنیف فرمائی، پھر خطیب بغدادیؒ نے اصولِ روایت پر "الكفاية في قوانين الرواية" اور آدابِ روایت پر "الجامع لآداب الشيخ والسامع" تصنیف فرمائی۔

غرض کہ اس فن میں مفصل اور مختصر کتابیں لکھی جارہی تھیں، یہاں تک کہ جب حافظ تقی الدین ابوعمرو عثمان بن الصلاح الشہرزوریؒ ملکِ شام سے تشریف لائے اور حاکمِ وقت "الاشرف بن عادل" نے مدرسہ اشرفیہ قائم کر کے انہیں درسِ حدیث کی ذمہ داری سونپی تو اس دوران علامہ ابن الصلاح نے اپنی مشہور کتاب "مقدمہ ابن الصلاح" تصنیف فرمائی، اور وقتاً فوقتاً طلباء کو اس کا املاء کراتے رہے، لیکن چونکہ یہ مستقل اور مسلسل تصنیف نہیں تھی، بلکہ مختلف اوقات میں حسبِ ضرورت املاء کرائی گئی تھی، اس لئے ان کی یہ کتاب مناسب طریقے پر مرتب نہ ہوسکی، البتہ ان کی یہ کتاب بطورِ خاص حضراتِ محدثینؒ کی توجہ کا مرکز بنی رہی، جس کی من جملہ وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خطیبِ بغدادیؒ کے وہ مضامین جو علمِ اصولِ حدیث سے متعلق ان کی مختلف کتابوں میں منتشر تھے، ان تمام مضامین کو اپنی اس کتاب میں یکجا کرلیا تھا، اور ساتھ ساتھ دیگر محدثینؒ کی کتب سے بھی مفید مضامین اور نکات کا اضافہ کیا تھا۔

چنانچہ ان کی یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ بہت سے حضرات نے اسے منظوم کیا، بہت سے محدثینؒ نے اسکا خلاصہ لکھا، بہت سوں نے اسکا تکملہ لکھا، کتنوں نے اس پر اعتراضات کئے اور کتنوں نے اسکے جوابات دیئے؟

چنانچہ امام نوویؒ نے بھی اسکو مختصر کیا، جو ''تقریب النووی '' کے نام سے مشہور ہے۔

(۴)....تدریب الراوی

دوسری کتاب ''تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی'' ہے جو تقریب النواوی کی شرح ہے۔
''تقریب النواوی'' کی یہ شرح علامہ سیوطیؒ نے لکھی ہے اور اس کے حل کرنے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

(۵)....حالاتِ مصنّفؒ اور شارح

کتاب کے متن کے مصنف امام نوویؒ ہیں اور شرح کے مصنف حافظ جلال الدین سیوطیؒ ہیں، دونوں حضرات کے حالاتِ زندگی مندرجہ ذیل ہیں:

حالاتِ امام نوویؒ

آپ کا پورا نام ''شیخ الاسلام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف الخزامی الشافعی النوویؒ ہے، نوی دمشق کے قریب مقامِ حوران میں واقع ایک بستی کا نام ہے، اسی کی طرف منسوب ہوکر آپ ''نَوَوی'' کہلاتے ہیں، اس بستی میں آپ محرم الحرام ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم آپ نے مقامِ نوی ہی میں حاصل کی، پھر انیس سال کی عمر میں اپنے والد ماجدؒ کے ہمراہ دمشق تشریف لے آئے اور وہاں مدرسہ ''رواحیہ'' میں داخلہ لیا اور '' تنبیہ'' نامی کتاب ساڑھے چار ماہ میں حفظ کی۔
آپ کو اپنے وقت کے بڑے بڑے مشائخ، علماء اور اساطینِ علم سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جن میں مشہور یہ ہیں:

☆ جمال الدینؒ ابن صیرفی.

☆ تقی الدینؒ ابن أبی الیسر.

☆ کمال الدینؒ اسحاق بن احمد المغربی.

☆ عماد الدینؒ، عبدالکریم الحرستانی اور عبدالعزیز بن محمد الأنصاری.

آپ پڑھنے اور علم حاصل کرنے میں بڑا مجاہدہ کرنے والے تھے، ابن عطارؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ دن میں بارہ، بارہ سبق پڑھایا کرتے تھے، جن میں صحیح مسلم شریف، المہذب، اسماء الرجال، الجمع بین الصحیحین اور اصول فقہ کے درس شامل تھے۔

آپ بیس برس تک درس وتدریس میں مشغول رہے یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے علماء پر فوقیت لے گئے، تدریسِ علوم کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت اور زہدو عبادت میں بھی آپ کامل تھے، کھانا بہت کم کھاتے تھے، رات کو صرف ایک لقمہ اور صبح تھوڑا سا دودھ پیتے تھے، اور بہت زیادہ روزے رکھتے تھے، علم میں اتنا اشتغال تھا کہ پوری زندگی شادی نہیں کی، آپ ان علماء میں سے تھے جنہوں نے علم کو شادی پر ترجیح دی ہے، اعلیٰ درجے کے زاہد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنیوالے تھے، کھانے، پینے اور پہننے کی چیزوں میں قناعت سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ پھٹے پرانے کپڑے بھی زیب تن فرمالیتے تھے، کثرت سے ذکر اللہ کرنے والے اور صاحب معمولات تھے۔

آپ بہترین مدرس ہونے کے ساتھ بہترین مصنف بھی تھے، آپ نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان میں سے چند مشہور تصانیف یہ ہیں:

☆ التبیان فی آداب حملة القرآن.

☆ المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج.

☆ العمدة فی تصحیح النیة.

☆ المجموع شرح المهذب.

☆ الارشاد.

☆ الخلاصة فی الحدیث" اور

☆ تحریر التنبیہ، وغیرہ۔

حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اپنے والد ماجدؒ کے ہمراہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی، تقریباً ڈیڑھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اسی سفر میں بیت المقدس کی زیارت بھی کی، پھر اپنے شہر لوٹے اور بیمار ہو گئے، بالآخر بدھ کی رات ۱۴ رجب المرجب ۶۷۶ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اور اپنے ہی شہر میں مدفون ہوئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حالاتِ امام سیوطیؒ

آپ کا پورا نام ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمن بن الکمال ابی بکر بن محمد بن السابق الخضیری السیوطی الشافعی ہے۔

"خضیر" یہ بغداد کے مشرقی جانب ایک محلے کا نام ہے، آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی یہاں رہتا تھا، اس وجہ سے آپ کی نسبت اس طرف کر دی گئی، آپ اتوار کی رات بعد نماز مغرب یکم رجب المرجب ۸۴۹ھ کو مقامِ اسیوط میں پیدا ہوئے، جو دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر کا نام ہے جس کو سیوط بھی کہتے ہیں، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپکو سیوطی کہتے ہیں، آپ کے اجداد صاحب علم و وجاہت تھے اور آپ کے والد ماجدؒ فقہاءِ شافعیہ میں سے تھے، بچپن ہی میں آپ

کے والد ماجدؒ کا انتقال ہوگیا تھا اور آپ یتیم ہو گئے تھے، بڑے بڑے علماء ومشائخ آپ کے ولی اور وصی بنے، جن میں کمال ابن الهمامؒ (صاحب فتح القدیر) بھی شامل ہیں۔

اللہ ربّ العزت نے آپ کو قوی حافظہ سے نوازا تھا، چنانچہ جب آپ ۵ سال ۷ مہینے کے تھے، اس وقت آپ نے سورۃ التحریم تک قرآن کریم حفظ کرلیا تھا اور آٹھ سال کی عمر میں مکمل قرآن کریم کے حافظ تھے، بچپن ہی میں آپ نے العمدة فی المنهاج الفقهی اور الاصولی زبانی یاد کرلی تھی۔

آپ کو اپنے زمانے کے اساطینِ علم سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، چنانچہ آپ نے فقہ شیخ سراج الدین بلقینیؒ سے، علمِ فرائض شیخ شهاب الدین الشارمساحیؒ سے، علمِ حدیث علامه تقی الدین الشمنی الحنفیؒ سے، علمِ تفسیر اور معانی وبلاغت شیخ محی الدین بن سلیمان الرومی الحنفیؒ سے حاصل کیا، آپ نے حصولِ علم کے لئے شام، حجاز، یمن، ہند اور دمیاط کی طرف سفر کیا، آپ کے شاگردِ رشید علامه داؤدی نے آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد ۱۵۱ بتائی ہے۔

آپ نے زمانۂ طالبعلمی میں حجِ بیت اللہ کیا اور ماءِ زمزم اس نیت سے پیا کہ اللہ تعالیٰ فقہ میں اپنے اُستاد شیخ سراج الدین بلقینیؒ اور حدیث میں حافظ ابن حجرؒ جیسا مقام عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، چنانچہ آپ صاحبِ علوم وفنون اور علمِ تفسیر وحدیث، فقہ، نحو، علمِ معانی اور علمِ بدیع کے امام تھے اور آپ کو دو لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

چالیس سال کی عمر تک آپ افتاء وتدریس میں مشغول رہے، اس کے بعد عبادت اور تصنیفی کام کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے ہر فن میں کتابیں تصنیف

فرمائیں، آپ کی تصانیف کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے اور بعضوں نے ۵۰۰ اور ۷۰۰ تک ذکر کی ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں:

(۱)....عين الاصابة فى معرفة الصحابة.

(۲)....الدرّ المنثور فى التفسير بالمأثور.

(۳)....كشف التلبيس عن قلب اهل التدليس.

(۴)....زوائد الرجال على تهذيب الكمال.

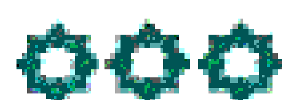
(۵)....مفتاح الجنة فى الاعتصام بالسنّة.

(۶)....الاشباه والنظائر

(۷)....التعريف بآداب التاليف" وغیرہ شامل ہیں۔

علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن میں بھی آپ کامل تھے، نہایت ہی زاہد و عابد تھے، استغناء کی صفت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، امراء و ملوک کے ہدایا قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سلطان غوری نے آپ کو ایک غلام اور ایک ہزار دینار ہدیہ پیش کیے، آپ نے ایک ہزار دینار رد کر دیے، اور غلام کو لیکر آزاد کر دیا اور سلطان غوری کے قاصد سے فرمایا کہ آئندہ کبھی بھی ہدیہ لیکر نہ آنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان چیزوں سے مستغنی بنایا ہے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی خدمت میں گزاری، زندگی کے آخری ایام میں ۷ دن بائیں بازو کے ورم کی شدید تکلیف میں مبتلا رہے، بالآخر اسی مرض میں شب جمعہ ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو ۶۱ رسال دس ماہ اٹھارہ دن کی عمر پوری فرما کر اس دارِفانی سے رخصت ہوئے، انا للّٰه وانا اليه راجعون۔ اور سلطان غوری کے زمانہ میں قاہرہ میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ عائشہؒ کے قریب مدفون ہوئے۔



آغازِ کتاب

کتاب کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی دو وجوہات

مصنفؒ نے کتاب کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا، اس کی تین وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

قرآنِ کریم پر عمل کرتے ہوئے، کیونکہ قرآنِ کریم کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ لکھی ہوئی ہے۔

دوسری وجہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مشہور حدیث ہے جسے آپ درسِ نظامی کی ہر کتاب کی ابتداء میں پڑھتے اور سنتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں، اور وہ یہ ہے:

"كُلُّ أَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ أَقْطَعُ" یا "فَهُوَ أَبْتَرُ" (۱)

اور اسی طرح وہ تمام حدیثیں ہیں جن میں بسم اللہ سے ہر اہم کام شروع کرنے کی فضیلت ثابت ہے، ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے مصنفؒ نے اپنی کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کیا۔

تیسری وجہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خطوط پر عمل کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی خطوط تحریر فرمائے ہیں ان سب کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی

---

(۱) عمدة القاري شرح البخاري جلد ۱ ص ۱۱، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ہے، اور ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اور آج بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خط موجود ہے جس میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، البتہ جس خط کے بارے میں یہ اندازہ ہو کہ یہ محفوظ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ ٹوکری وغیرہ میں پھینک دیا جائے گا، وہاں صرف زبانی بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور بطورِ احتیاط اور بطورِ علامت ۷۸۶ یا باسمہٖ اعظم یا باسمہٖ سبحانہ لکھ دینا چاہیے، تاکہ بسم اللہ کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس کی بے حرمتی بھی نہ ہو۔

متن

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْفَتَّاحِ الْمَنَّانِ ذِی الطَّوْلِ وَ الْفَضْلِ وَ الْإِحْسَانِ الَّذِیْ مَنَّ عَلَیْنَا بِالْإِیْمَانِ وَ فَضَّلَ دِیْنَنَا عَلٰی سَائِرِ الْأَدْیَانِ.

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو فیصلہ کرنے والے، احسان کرنے والے، قدرت والے اور فضل واحسان والے ہیں، جس نے ہمیں ایمان کی توفیق دے کر احسان فرمایا اور ہمارے دین کو تمام ادیان پر فضیلت بخشی۔

تشریح

الحمدللہ سے شروع کرنے کی تین وجوہات

قولہ: الحمد للّٰه.

بسم اللہ کے بعد مصنفؒ نے اپنی کتاب کو اَلْحَمْدُلِلّٰهِ سے شروع فرمایا، اس کی تین وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

کتاب اللہ پر عمل کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرمایا ہے۔

دوسری وجہ

وہی مشہور حدیث جو اس سلسلے میں منقول ہے کہ:

"کُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ أَقْطَعُ" یا "فَھُوَ أَبْتَرُ" (۱)

کہ "الحمدللہ" سے اگر ہر اہم کام کو شروع نہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ناتمام رہتا ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے مصنفؒ نے کتاب کو "الحمدللہ" سے شروع فرمایا۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَأْسُ الشُّکْرِ (۲)

"الحمدللہ" شکر کا سر ہے، یعنی سردار ہے، یعنی جس شخص کو کوئی نعمت ملے، اس کو شکر ادا کرنا چاہئے، جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

اس حدیث میں بھی "الحمدللہ" کے ذریعے نعمت کے ملنے پر شکر ادا

(۱) ابن ماجہ ج ا ص ۶۱۰، حدیث نمبر ۱۸۹۴، و الفاظہ "کل امر ذی بال لا یبدء فیہ بالحمد اقطع.

(۲) مصنفؒ عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۴۲۴ حدیث نمبر ۱۹۵۷۴، ورواہ ایضا البیھقی فی شعب الایمان جلد ۴ ص ۹۶، حدیث نمبر ۴۳۹۵۔

کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور کتاب کا آغاز کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے، جب یہ بہت بڑی نعمت ہے تو اس کا شکر بھی لازم ہے، اور شکر ہوتا ہے ''الحمدللّٰہ'' کے ذریعے، کیونکہ جتنے بھی کلماتِ شکر ہیں، یہ ان سب کا سر اور سردار ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرتے ہوئے مصنفؒ نے ''الحمدللّٰہ'' سے کتاب کو شروع فرمایا۔

خطبہ اور اس کی تشریح

قوله: الفتاح المنّان.

فتّاح اور منّان یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، فتّاح کے اصل معنیٰ بہت کھولنے والا مراد فیصلہ کرنے والا ہے اور منّان مَنَّ یَمُنُّ سے اسم مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ بہت زیادہ احسان کرنے والا۔

قوله: ذی الطول والفضل والإحسان.

''ذی'' کے معنیٰ والا اور طول کے معنیٰ قدرت کے آتے ہیں، طول کے معنیٰ غناء، مالداری، فراخی اور وسعت کے بھی آتے ہیں، یہاں یہ سب معانی ہوسکتے ہیں جو قدرت والا، فراخی والا، وسعت والا ہے، جو غنی ہے، صاحبِ قدرت ہے اور صاحبِ فضل واحسان ہے۔

قوله: الذی منّ علینا بالإیمان.

جس نے ہم پر ایمان کی توفیق دیکر احسان کیا، (درحقیقت ایمان کی توفیق بہت بڑا انعام واحسان اور بہت بڑا فضل وکرم ہے۔)

قوله: وفضّل دیننا علی سائر الأدیان.

اور ہمارے دین کو تمام ادیان پر فضیلت بخشی کہ تمام مذاہب میں اور تمام آسمانی شریعتوں میں شریعتِ اسلامیہ سب سے افضل، سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

متن

وَ مَحَا بِحَبِيْبِهٖ وَخَلِيْلِهٖ وَعَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِبَادَةَ الْأَوْثَانِ.

ترجمہ

اور اپنے محبوب، اپنے دوست، اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتوں کی عبادت کو مٹایا۔

تشریح

صفتِ حبیب، خلیل، عبد اور رسول کی وضاحت

یہاں مصنفؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صفات بیان فرمائی ہیں:

(۱)....حبیب (۲)....خلیل (۳)....عبد (۴)....رسول

(۱)....حبیب

"حبیب" کہتے ہیں محبوب کو اور محب کو بھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں اور محب بھی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَلَا وَأَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ"

ترجمہ

"سن لو! میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، (بلکہ حقیقتِ حال بیان کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں اور محب بھی، اسی لئے مصنفؒ نے صفتِ حبیب کا انتخاب کر کے اسے ذکر فرمایا۔

(۲)....خلیل

دوسری صفت ہے "خلیل" یہ خُلّۃ سے مشتق ہے اور اسکے معنٰی ہیں کہ جو سب سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور منقطع الی اللہ ہو جائے، اسے خلیل کہتے ہیں۔

اور اسکے دوسرے معنٰی یہ ہیں کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی گنجائش نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت ہی غالب ہو۔

صفتِ خلیل کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلٰی کُلِّ خَلِیْلٍ مِنْ خُلَّتِهٖ وَ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلاً وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ."(۱)

ترجمہ

"میں ہر دوست کی دوستی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برأت کا اظہار کرتا ہوں، اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا، لیکن تمہارے ساتھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں"۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں، کسی اور کے نہیں، کیونکہ خلیل کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی محبت دل میں نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں اور اللہ تعالیٰ میرا خلیل ہے، لہٰذا اب میرے دل میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں، اگر ہوتی تو میں ابوبکرؓ کو اپنا خلیل بناتا۔

(۱) صحیح مسلم جلد نمبر ۴ ص ۱۸۵۶ حدیث نمبر ۲۳۸۳۔

حبیب اور خلیل کی افضلیت میں علماء کے تین اقوال

حبیب اور خلیل دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ہیں، اب ان میں سے کون سی صفت افضل ہے، صفتِ حبیب افضل ہے یا صفتِ خلیل، اس میں تین قول ہیں:

پہلا قول

پہلا قول یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں آپس میں برابر ہیں۔

دوسرا قول

دوسرا یہ ہے کہ صفتِ خلیل افضل ہے صفتِ حبیب سے، کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کے دونوں بیٹے (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم مجھے محبوب ہیں۔''

اور صفتِ خلیل کے بارے میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خلیل بنانا جائز نہیں۔''

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفتِ خلیل افضل ہے بہ نسبت صفتِ حبیب کے۔

تیسرا قول

تیسرا یہ ہے کہ صفتِ حبیب، خلیل سے افضل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور حضور کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، لہٰذا صفتِ حبیب افضل ہے صفتِ خلیل سے۔

(۳)....عبد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صفت "عبد" ہے، انسان کی صفات میں یہ صفتِ عبدیت سب سے افضل صفت ہے، دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس صفتِ عبدیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ شبِ معراج کے ذکر کے وقت آپ کے متعلق فرمایا:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (۱)

اور جب شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے تو فرمایا:

"فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی" (۲)

ابتداء میں بھی عبدیت کا ذکر ہے اور انتہاء میں بھی عبدیت کا ذکر ہے، اسی لئے یہ صفتِ عبدیت سب سے افضل صفت ہے۔

اور عبدیت اسے کہتے ہیں کہ بندہ سو فیصد اللہ تعالیٰ کا ہو جائے، نہ اپنی چلائے نہ کسی اور کی، بس ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا حکم مانے، اور ایسا مانے کہ ماننے کا عادی ہو جائے، اسے کہتے ہیں مقامِ عبدیت، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کے جتنے بھی مقامات ہیں، یہ مقامِ عبدیت ان میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور اس کی روح تواضع وانکساری ہے، اس میں جب انسان انتہاء کو پہنچتا ہے تو عبدیت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے جو بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

(۴)....رسول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صفت "رسول" ہے، اور "رسول" اسے

(۱) آیت نمبر ۱، سورۃ الاسراء، پارہ نمبر ۱۵۔ (۲) آیت نمبر ۱۰، سورۃ النجم، پارہ نمبر ۲۷۔

کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ نیا دین، نئی شریعت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی امت کے لیے نئی کتاب لایا ہو، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قوله: عبادة الأوثان.

اوثان، وثن کی جمع ہے، اور وثن کہتے ہیں بت کو، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتوں کو اور ان کی عبادت کو مٹایا۔

متن

وَ خَصَّهُ بِالْمُعْجِزَةِ وَ السُّنَنِ الْمُسْتَمِرَّةِ عَلٰى تَعَاقُبِ الْأَزْمَانِ.

ترجمہ

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی معجزہ اور دائمی سنتوں کے ساتھ مخصوص فرمایا، زمانے کے تسلسل کے ساتھ''۔

تشریح

تعاقب کہتے ہیں آگے پیچھے آنے کو، ازمان زمن کی جمع ہے، اس سے مراد زمانہ ہے، ''معجزہ'' سے مراد قرآن کریم ہے اور ''سننِ مستمرّہ'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سنتیں، احادیث اور طور طریقے ہیں، جیسے قرآن معجزہ قیامت تک کیلئے ہے، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتیں بھی قیامت تک کے لئے ہیں جو عملی اور دائمی ہیں، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کے زمانے تک محدود

تھے، جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزے بھی ختم ہو گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ''قرآن کریم'' دائمی اور قیامت تک کے لئے ہے، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں بھی دائمی اور قیامت تک کے لئے ہیں۔

متن

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی سَائِرِ النَّبِیِّیْنَ وَ آلِ کُلٍّ مَا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَ مَا تَکَرَّرَتْ حِکْمُہٗ وَ ذِکْرُہٗ وَ تَعَاقَبَ الْجَدِیْدَانِ. اَمَّا بَعْدُ!

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ رحمتِ کاملہ نازل فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمام انبیاء پر اور سب کی آل پر جب تک دن رات کا اختلاف رہے اور جب تک اس کا حکم اور اس کا ذکر مکرر رہے اور جب تک زمانے کا اختلاف رہے''۔ بہر حال حمد و صلوۃ کے بعد!

تشریح

قوله: وعلی سائر النبيين.

مصنفؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر فرمایا، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ''تم مجھ پر اور دیگر انبیاء پر بھی درود بھیجو، کیونکہ وہ اسی طرح مبعوث ہوئے جس طرح میں مبعوث ہوا۔'' اس پر عمل کرتے ہوئے مصنفؒ نے دیگر انبیاء کا بھی ذکر فرمایا۔

قوله: ما اختلف الملوان.

ملوان مَلًا کا تثنیہ ہے، ملًا کہتے ہیں دن کو، اور اس کے تثنیہ سے مراد رات

اور دن ہیں، یعنی جب تک دن، رات آتے رہیں اور یہ دنیا باقی رہے اس وقت تک رحمتِ کاملہ نازل ہو۔

قولہ: وتعاقب الجديدان.

تعاقب کے معنی ہیں آگے پیچھے آنا، اور جدیدان کے دو معنی ہیں، دن، رات اور صبح وشام۔ مراد یہ ہے کہ جب تک یہ دنیا باقی رہے اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتِ کاملہ نازل ہو۔

قولہ: أمّا بعد!

أمّا بعد کہنے کی دو وجوہات

مصنفؒ نے خطبے کے بعد "أمّا بعد!" کیوں ذکر کیا؟ اس کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو حمد وثناء کے بعد "أمّا بعد!" فرماتے تھے، مصنفؒ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں "أمّا بعد!" کہا۔

دوسری وجہ

راوی اور مصنفین بھی اپنے خطبوں میں "أمّا بعد!" کا ذکر فرماتے ہیں، ان کی اتباع کرتے ہوئے مصنفؒ نے بھی "أمّا بعد!" کہا۔

سب سے پہلے "أمّا بعد!" کس نے کہا؟

سب سے پہلے "أمّا بعد!" کس نے کہا؟ اسکے بارے میں چار قول مشہور ہیں:

(۱)....سب سے پہلے داوٗد علیہ السلام نے " اَمّا بعد! " کہا، اور "وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ" میں "فَصْلَ الْخِطَابِ" سے یہی مراد ہے کہ ہم نے خطاب کو غیر خطاب سے الگ کردیا، یعنی خطبے کو بیان سے الگ کردیا، تو "اَمّا بعد!" سے تقریر الگ ہوگئی اور خطبہ الگ ہوگیا۔

(۲)....سب سے پہلے اس کا تکلم حضرت آدم علیہ السلام نے کیا۔

(۳)....حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا۔

(۴)....حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا۔

متن

فَإِنَّ عِلْمَ الْحَدِیْثِ مِنْ أَفْضَلِ الْقُرَبِ إِلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَکَیْفَ لَایَکُوْنُ وَ هُوَ بَیَانُ طَرِیْقِ خَیْرِ الْخَلْقِ وَ أَکْرَمِ الْأَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ.

ترجمہ

"بلاشبہ علمِ حدیث ربُّ العالمین کی بارگاہ میں قریب کرنے والے اعمال میں سب سے بہتر ہے اور یہ کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ مخلوقات میں سب سے بہترین ہستی کے طریقے کا بیان ہے۔"

تشریح

علمِ حدیث واصولِ حدیث کی تین وجہِ فضیلت

یہاں سے مصنفؒ علمِ حدیث کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں، جس میں علمِ

اصولِ حدیث بھی داخل ہے، یہ علمِ حدیث ایسا علم ہے جو رب العالمین کی بارگاہ میں قریب کرنے والے اعمال میں سب سے بہتر ہے، اور یہ سب سے بہتر کیوں ہے؟ اس کی تین وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف، قرآن کریم کی شرح ہے اور قرآن کریم سب سے افضل ہے، لہٰذا اس کی شرح بھی سب سے افضل ہوگی۔

دوسری وجہ

یہ حدیث شریف ساری مخلوق میں سب سے بہتر، اوّلین وآخرین میں سب سے معزز ذات کے طور وطریق کو بیان کرنے کا نام ہے، یعنی حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل وتقریر کا بیان ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے افضل، اوّلین وآخرین میں سب سے بہتر ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ طیّبہ بھی سب سے افضل واشرف ہیں۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن کریم، علومِ شرعیہ سیکھنے اور فقہ سمجھنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا اس بناء پر بھی یہ افضل ہے۔

متن

وَ هٰذَا كِتَابٌ اِخْتَصَرْتُهُ مِنْ كِتَابِ "اَلْاِرْشَادِ" الَّذِیْ اِخْتَصَرْتُهُ مِنْ عُلُوْمِ الْحَدِیْثِ لِلشَّیْخِ الْاِمَامِ الْحَافِظِ

الْمُتْقِنِ أَبِیْ عَمْرٍو عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الصَّلَاحِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ. أُبَالِغُ فِیْهِ فِی الْاِخْتِصَارِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ غَیْرِ إِخْلَالٍ بِالْمَقْصُوْدِ وَ أَحْرِصُ عَلٰی إِیْضَاحِ الْعِبَارَةِ وَ عَلَی اللّٰهِ الْکَرِیْمِ الْاِعْتِمَادُ وَ إِلَیْهِ التَّفْوِیْضُ وَ الْاِسْتِنَادُ.

ترجمہ

''اور یہ کتاب (التقریب) جس کو میں نے مختصر کیا ہے کتاب الارشاد سے اور اسے مختصر کیا ہے علوم الحدیث نامی کتاب سے جو شیخ، امام، حافظ، متقن ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن جو ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں، کی کتاب ہے۔ میں ان شاء اللہ اس کتاب کے اختصار میں مبالغہ کروں گا، مقصود میں خلل ڈالے بغیر اور میں عبارت کے واضح کرنے میں بھرپور کوشش کروں گا، اور اللہ ہی پر میرا اعتماد اور بھروسہ ہے جو کریم ہے اور میرا معاملہ اسی کے سپرد ہے۔

تشریح

قوله: للشیخ الإمام الحافظ المتقن الخ

شیخ، امام، حافظ، متقن ان کا لقب ہے، ابو عمرو ان کی کنیت ہے، عثمان ان کا نام ہے، والد عبدالرحمٰن ہیں، اور یہ خود ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں، اس لئے کہ ان کے والد عبدالرحمٰن کا لقب صلاح الدین تھا تو یہ انہیں کی طرف منسوب

ہوکرابن الصلاح کہلاتے ہیں۔

یہ مشہور محدث ہیں اور علمِ اصولِ حدیث کے اندر یہ مثلِ آفتاب ومہتاب ہیں، اور یہ "شہرزوری" بھی کہلاتے ہیں، کیونکہ "شہرزور" ایک شہر کا نام ہے جس میں یہ پیدا ہوئے تھے، جو ہمدان اور موصل کے درمیان واقع ہے، ۵۷۷ھ میں وہاں پیدا ہوئے اور تقریباً ۶۴۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، ۶۵ سال عمر پائی۔

قوله: أبالغ فيه في الاختصار.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب کے اختصار کرنے میں مبالغہ کروں گا، یعنی "کتاب الارشاد" جو علوم الحدیث میں ہے اور علامہ "ابن الصلاحؒ" کی ہے، اس کو مختصر کروں گا، من غير إخلال بالمقصود، مقصود میں خلل ڈالے بغیر، یعنی غیر ضروری باتوں کو حذف کردوں گا، لیکن جن باتوں کا علمِ اصولِ حدیث میں جاننا ضروری ہے، وہ بیان کردوں گا اور باقی باتیں نکال لوں گا۔

قوله: وأحرص على إيضاح العبارة. الخ.

"احرص" کے لفظی معنی یہ ہیں کہ حرص کروں گا، لالچ کروں گا، لیکن مراد یہ ہے کہ میں اتنی بھرپور کوشش کروں گا کہ عبارت مختصر بھی ہو، واضح بھی ہو اور مقصود میں خلل بھی نہ آئے۔

قوله: وعلى الله الكريم الاعتماد. الخ

اس میں اعتماد واستناد ہم معنی ہیں، مراد یہ ہے کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور اسی پر مجھے بھروسہ ہے۔

متن

اَلْحَدِیْثُ صَحِیْحٌ وَ حَسَنٌ وَ ضَعِیْفٌ.

ترجمہ

حدیث کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن، ضعیف۔

تشریح

حدیث کی تین قسمیں

حدیثِ صحیح، حسن اور ضعیف اور ان کی دو وجہِ حصر کا بیان

یہاں سے مصنفؒ حدیث کی تین قسمیں بیان فرما رہے ہیں، صحیح، حسن اور ضعیف۔ اس کی دو وجہِ حصر ہیں!

پہلی وجہِ حصر

حدیث مقبول ہوگی یا مردود، اگر مقبول ہوگی تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں، یا اس میں قبول کرنے کے اوصاف اعلیٰ درجے کے ہوں گے یا ادنیٰ درجے کے، اگر اعلیٰ درجے کے اوصاف ہوں تو حدیث صحیح ہے، اگر ادنیٰ درجہ کے اوصاف ہوں تو حدیث حسن ہے اور اگر ادنیٰ درجے کے اوصاف بھی نہ ہوں تو حدیث ضعیف ہے۔

دوسری وجہِ حصر

یہ ہے کہ حدیث دو حال سے خالی نہیں من کل وجہٍ قوی ہوگی یا نہیں، اگر من

کل وجہ قوی ہے تو حدیث صحیح ہے اور اگر من کل وجہ قوی نہیں تو حدیث ضعیف ہے اور اگر من وجہ قوی ہے اور من وجہ قوی نہیں ہے تو یہ حدیث حسن ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الْاَوَّلُ: اَلصَّحِیْحُ، وَ فِیْهِ مَسَائِلُ: اَلْاُوْلٰی: فِیْ حَدِّهٖ وَهُوَ مَا اتَّصَلَ سَنَدُهٗ بِالْعُدُوْلِ الضَّابِطِیْنَ مِنْ غَیْرِ شُذُوْذٍ وَ لَا عِلَّةٍ.

ترجمہ

پہلا مسئلہ: حدیث کی پہلی قسم حدیثِ صحیح ہے اور اس میں چند مسائل ہیں، پہلا مسئلہ اس کی تعریف کے بیان میں ہے کہ حدیثِ صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو ایسے راویوں کے ساتھ جو عادل اور ضابط ہوں، بغیر شذوذ اور علت کے“۔

تشریح

حدیثِ صحیح کی تعریف اور اس کی پانچ شرائط

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ صحیح کی تعریف بیان فرما رہے ہیں کہ حدیثِ صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند میں پانچ باتیں پائی جائیں، اگر وہ پانچ باتیں کسی حدیث کی سند میں پائی جائیں تو وہ حدیث صحیح کہلائے گی، وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(۱)... اس کی سند متصل ہو۔

(۲)....اس کے تمام راوی عادل ہوں۔

(۳)....ضابط ہوں۔

(۴)....وہ روایت شاذ نہ ہو۔

(۵)....اس روایت میں کوئی علتِ خفیہ نہ ہو۔

یہ پانچ باتیں جس حدیث کی سند میں ہوں گی وہ حدیث صحیح کہلائے گی، اوراگران میں سے ایک بھی صفت یا تمام صفات نہ ہوں گی تو وہ حدیث غیر صحیح کہلائے گی۔

قوله: ما اتصل سنده.

سند کے متّصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سند سے کوئی راوی گرا ہوا نہ ہو۔

قوله: بالعدول.

عدول "عادل" کی جمع ہے اور عادل ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو کبائر سے بچتا ہو، صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو اور خلافِ مروّت کام نہ کرتا ہو، خلافِ مروّت کام یہ ہیں: مثلاً بازار میں کھاتا پیتا نہ ہو، راستے میں بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا ہو، بڑے لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھتا ہو، کیونکہ یہ سب باتیں خلافِ مروّت ہیں۔

قوله: الضابطين.

ضابطین "ضابط" کی جمع ہے اور ضابط کہتے ہیں خوب اچھی طرح یاد کرنے والے کو، سارے رُوات حدیث کو اچھی طرح یاد کرنے والے ہوں۔

پھر ضبط کی دو قسمیں ہیں:

(۱)....ضبط بالكتابة

"ضبط بالكتابة" کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے اپنے مروی عنہ سے سُن کر حدیث کو لکھ لیا ہو اور لکھنے کے بعد اس کو اصل سے ملا لیا ہو اور جہاں کہیں اس میں

شبہ ہو اور مشتبہ الفاظ ہوں، وہاں استاد سے پوچھ کر اعراب لگالئے ہوں، ایسا کرنے کو "ضبط بالکتابة" کہتے ہیں۔

(۲)... ضبط بالصدر

"ضبط بالصدر" کا مطلب یہ ہے کہ راوی کو حدیث زبانی یاد ہو، اور جب اس سے کہا جائے کہ حدیث سناؤ تو وہ سند اور متن دونوں ٹھیک ٹھیک اور فر فر سنادے، یہ ضبط بالصدر ہے۔

قوله: من غير شذوذ.

چوتھی شرط یہ تھی کہ وہ روایت شاذ نہ ہو اور شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے، لہٰذا وہ روایت شاذ بھی نہ ہو۔

قوله: ولا علة.

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ روایت معلّل بھی نہ ہو، اور حدیثِ معلّل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی علّتِ خفیہ پائی جائے، اور علّتِ خفیہ یہ ہے کہ راوی اپنے وہم کی وجہ سے روایت میں کچھ ردّ و بدل یا تقدیم و تاخیر کردے اور قرائن سے یا تمام سندوں کے ملانے سے اس کے ردّ و بدل کا پتہ بھی چل گیا ہو، اسے علّتِ خفیہ کہتے ہیں اور جس حدیث کے اندر علّتِ خفیہ پائی جائے، وہ حدیث، حدیثِ صحیح نہیں ہوتی، اس لئے "ولا علة" فرمایا۔

جب کسی حدیث کی سند میں یہ پانچ باتیں پائی جائیں گی، تو وہ حدیث صحیح کہلائے گی۔

تعریف میں فوائدِ قیود

مصنفؒ نے "ما اتصل سنده" کی قید سے منقطع، معضل، معلق، مرسل اور حدیثِ مدلس کو نکال دیا اور "عدول" کی قید سے ان حدیثوں کو نکال دیا جن کے راویوں کا حال معلوم نہ ہو اور پتہ نہ چلے کہ عادل ہیں یا غیر عادل۔

اور "ضابطین" کی قید سے ان راویوں کی روایت نکل گئی جن کا حافظہ صحیح نہ ہو، خراب ہو، وہ کثیر الخطاء ہوں، یعنی ان کی روایت میں بکثرت غلطیاں پائی جاتی ہوں۔

"من غیر شذوذ" سے روایتِ شاذ اور "ولا علة" کی قید سے حدیثِ معلّل نکل گئی۔

حدیثِ صحیح کی مثال

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ يُوْسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ." (۱)

یہ حدیثِ صحیح کی مثال ہے، کیونکہ اس کی سند میں پانچوں شرطیں موجود ہیں، پہلی شرط سندِ متصل ہے، کیونکہ محمد بن یوسفؒ امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، امام بخاریؒ اپنے استاذ محمد بن یوسفؒ سے اور وہ اپنے استاذ

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵، حدیث نمبر ۷۳۱، باب الجھر بالمغرب، اور سنن نسائی ج ۲ ص ۱۶۹۔

مالکؒ سے صیغۂ سماع سے روایت کر رہے ہیں، اور آگے عن ابن شهاب عن محمد بن جبیر عن ابیه، یہ اگرچہ معنعن ہے، لیکن چونکہ یہ راوی مدلِّس نہیں، بلکہ غیر مدلِّس ہیں اور غیر مدلِّس کا عنعنہ بھی سماع کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے ان کا عنعنہ بھی سماع کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگا اور یہ سند متصل کہلائے گی۔

دوسری صفت بھی اس حدیث کے اندر موجود ہے کہ اس کے تمام راوی عادل ہیں، اس لئے کہ امام بخاریؒ کے استاذ محمد بن یوسفؒ ثقہ ہیں اور امام مالکؒ تو ویسے ہی امام اور حافظ ہیں اور ''ابن شهاب'' یہ فقیہ اور حافظ ہیں اور محمد بن جبیرؒ یہ بھی ثقہ ہیں اور ان کے والد ''جبیر بن مطعمؓ'' وہ تو صحابی ہیں اور الصحابة کلهم عدول، تو خلاصہ یہ کہ سارے کے سارے راوی عادل بھی ہیں اور ضابط بھی۔

اسی طریقے سے اس روایت کے معارض کوئی دوسری روایت بھی نہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ ثقہ نے اوثق کی مخالفت کی ہے، لہٰذا من غیر شذوذ کی شرط بھی اس کے اندر موجود ہے، اور کوئی علّتِ خفیہ بھی اس کے اندر نہیں ہے، لہٰذا ان پانچوں شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے یہ حدیث صحیح کہلائے گی۔

حدیثِ صحیح کا حکم

حدیثِ صحیح سب کے نزدیک شرعاً حجت ہے اور واجب العمل ہے، لہٰذا بغیر کسی تاویل کے اس پر عمل نہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

متن

وَ إِذَا قِيْلَ: صَحِيْحٌ، فَهٰذَا مَعْنَاهُ، لاَ أَنَّهُ مَقْطُوْعٌ بِهٖ.

ترجمہ

''اور جب کسی حدیث کے بارے میں کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو یہ اس مذکورہ تفصیل کے اعتبار سے ہوگی نہ یہ کہ نفس الامر میں بھی وہ صحیح ہے۔

تشریح

حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا مطلب

مصنفؒ نے فرمایا کہ جب کسی حدیث کے بارے میں کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سند کے اندر قبولیت کے پانچوں اوصاف پائے جانے کی وجہ سے صحیح ہے، یہ مطلب نہیں کہ حقیقت اور نفس الامر میں بھی صحیح ہے، کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ثقہ راوی سے بھی بھول ہو جاتی ہے اور غلطی ہو جاتی ہے اور وہ غلط بات بیان کر دیتا ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اوصافِ خمسہ کے پائے جانے کی وجہ سے صحیح ہے نہ کہ نفس الامر میں بھی صحیح ہے۔

متن

وَإِذَا قِيْلَ: غَيْرُ صَحِيْحٍ فَمَعْنَاهُ لَمْ يَصِحَّ إِسْنَادُهُ.

ترجمہ

"اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ (شرائطِ مذکورہ نہ پائے جانے) کی بناء پر اس کی سند صحیح نہیں ہے"۔

تشریح

جب کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ حدیث میں اوصافِ خمسہ میں سے کسی ایک کے یا سب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ حدیث غیر صحیح ہے، یہ مطلب نہیں کہ حقیقت میں بھی صحیح نہیں، ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو، کیونکہ کبھی کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بول دیتا ہے اور غیر ثقہ بھی صحیح بات کہہ دیتا ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو، لہٰذا ہم نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے غیر صحیح نہیں کہہ رہے، بلکہ اوصافِ خمسہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر صحیح کہہ رہے ہیں۔

متن

وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَايُجْزَمُ فِيْ إِسْنَادٍ أَنَّهُ أَصَحُّ الْأَسَانِيْدِ مُطْلَقًا. وَ قِيْلَ: أَصَحُّهَا: الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ. وَ قِيْلَ: ابْنُ سِيْرِيْنَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَلِيٍّ. وَ

قِيْلَ: اَلْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ. وَ قِيْلَ: اَلزُّهْرِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَلِيٍّ. وَ قِيْلَ: مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ. فَعَلٰى هٰذَا قِيْلَ: اَلشَّافِعِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

ترجمہ

اور مختار مذہب یہ ہے کہ کسی سند کے بارے میں یقینی طور پر مطلقاً أصحُ الاسانید نہیں کہا جاسکتا، البتہ بعض لوگوں نے کہا کہ "زهری عن سالم عن أبیه" أصحُ الاسانید ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ابن سیرین عن عبیدة عن علی" أصحُ الاسانید ہے، اور بعض نے کہا کہ "أعمش عن إبراهیم عن علقمة عن ابن مسعود" أصحُ الاسانید ہے، اور بعض نے کہا کہ "زهری عن علی بن حسین عن أبیه عن علی" أصحُ الاسانید ہے، جبکہ بعض حضرات نے کہا کہ "مالک عن نافع عن ابن عمرؓ" أصحُ الاسانید ہے، اس بناء پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمرؓ" أصحُ الاسانید ہے۔"

تشریح

کسی سند کو مطلقاً أصحُ الاسانید کہنا درست ہے یا نہیں؟

قوله: والمختار أنه لايجزم الخ.

مصنفؒ یہاں سے یہ بیان فرمارہے ہیں کہ کسی سند کے بارے میں آیا مطلقاً أصحُ الاسانید کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کہ یہ سند تمام سندوں میں سب سے اصح اور بہتر ہے، آیا ایسا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے کہا کہ کہہ سکتے ہیں، لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ ہم کسی سند کے بارے میں مطلقاً أصحُ الاسانید نہیں کہہ سکتے، اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی سند کے بارے میں أصحُ الاسانید کہنے کیلئے ضروری ہے کہ سند کے تمام راویوں کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ ان راویوں میں قبولِ حدیث کے تمام اوصاف اعلیٰ درجے کے پائے جاتے ہیں یا نہیں تاکہ وہ سند أصحُ الاسانید کہلا سکے، اور یہ بات معلوم کرنا انتہائی مشکل ہے، آسان نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے تمام سندوں کے تمام راویوں کے تمام حالات سے واقفیت اور ان کی چھان پھٹک اور تحقیق و تفتیش ضروری ہے جو ممکن نہیں، اس لئے مختار مذہب یہ ہے کہ کسی سند کے بارے میں مطلقاً أصحُ الاسانید کہنا درست نہیں ہے۔

قوله: وقيل: أصحها الزهري الخ

لیکن بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کہہ سکتے ہیں، لیکن انہوں نے بھی تمام سندوں کے اعتبار سے حدیث کو أصحُ الاسانید نہیں کہا، بلکہ الگ الگ سند کو أصح کہا ہے، مثلاً امام احمد بن حنبلؒ نے اس سند کو أصحُ الاسانید کہا ہے: "زهري عن سالم عن عبد الله بن عمر عن ابيه رضي الله عنهم" لیکن مصنفؒ نے اس قول کو

''قیل'' کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ ''عن ابن سیرین عن عبیدة عن علی'' أصحُ الاسانید ہے، بعض نے کہا کہ ''الأعمش عن إبراهيم عن علقمة عن ابن مسعودؓ'' أصحُ الاسانید ہے، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ ''الزهری عن علی بن حسین عن أبيه عن علی'' أصحُ الاسانید ہے۔

امام بخاریؒ نے کہا کہ ''مالک عن نافع عن ابن عمرؓ'' أصحُ الاسانید ہے، اسی بناء پر ''الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمرؓ'' بھی أصحُ الاسانید ہوگی، اس لئے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اصحابِ مالکؒ میں سے امام شافعیؒ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں، لہٰذا یہ سند بھی أصحُ الاسانید ہوگی۔

متن

اَلثَّانِيَةُ: أَوَّلُ مُصَنَّفٍ فِي الصَّحِيْحِ الْمُجَرَّدِ صَحِيْحُ الْبُخَارِيِّ ثُمَّ مُسْلِمٌ وَ هُمَا أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ الْقُرْآنِ، وَالْبُخَارِيُّ أَصَحُّهُمَا وَ أَكْثَرُهُمَا فَوَائِدَ، وَ قِيْلَ: مُسْلِمٌ أَصَحُّ، وَالصَّوَابُ الْأَوَّلُ، وَاخْتَصَّ مُسْلِمٌ بِجَمْعِ طُرُقِ الْحَدِيْثِ فِيْ مَكَانٍ.

ترجمہ

دوسرا مسئلہ: صحیح مجرّد میں سب سے پہلی تصنیف ''صحیح بخاری'' ہے، پھر ''صحیح مسلم'' ہے، اور یہ دونوں أصح الکتب بعد کتاب اللہ ہیں، اور ان دونوں میں ''صحیح بخاری'' زیادہ

اصح ہے اور فوائد کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ مسلم اصح ہے، لیکن پہلا قول درست ہے، اور مسلم شریف میں حدیث کے تمام طرق کو ایک جگہ جمع کرنے کی خصوصیت ہے۔

تشریح

صحیح احادیث میں سب سے پہلی کتاب بخاری شریف

قوله: الثانية: أول مصنّف في الصحيح الخ.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ صحیح کے متعلق دوسرا مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ میں سب سے پہلے کون سی کتاب لکھی گئی؟ تو فرمایا کہ سب سے پہلی کتاب ''بخاری شریف'' ہے پھر ''مسلم شریف'' اور ان دونوں میں بھی بخاری شریف أصح الكتب بعد كتاب الله ہے۔

ایک اشکال اور اس کے دو جواب

یہاں ایک معروف اشکال ہے اور اس کے دو جواب ہیں، وہ مشہور اشکال یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد ''مؤطا امام مالکؒ'' سے بڑھ کر کوئی درست کتاب نہیں دیکھی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مؤطا امام مالکؒ'' کا درجہ مسلم و بخاری سے بڑھکر ہے، لہٰذا پھر بخاری شریف کو أصح الكتب بعد كتاب الله کہنا درست نہ ہوا۔

پہلا جواب

اس اشکال کا پہلا جواب یہ ہے کہ ''مؤطا امام مالکؒ'' کو یہ مقام بخاری

شریف کے وجود میں آنے سے پہلے حاصل تھا، لیکن جب بخاری شریف مرتب ہوگئی تو "مؤطاامام مالکؒ" کا وہ درجہ بخاری شریف کو حاصل ہوگیا اور مؤطا کو حاصل نہ رہا۔

دوسرا جواب

ہم آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ "مؤطاامام مالکؒ" اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، بلکہ بخاری شریف ہی أصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ "مؤطاامام مالکؒ" میں صرف احادیثِ صحیحہ ہی نہیں ہیں، بلکہ اس میں فتاوی بھی ہیں، آثار بھی ہیں، معضل، مرسل اور منقطع روایات بھی ہیں، جبکہ یہ چیزیں بخاری شریف میں نہیں ہیں، لہذا بخاری شریف بلاشبہ أصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

بہر حال مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ میں سب سے پہلی کتاب "بخاری شریف" ہے، پھر "مسلم شریف" ہے، اور ان دونوں میں بھی "بخاری شریف" "مسلم شریف" سے بڑھ کر ہے، اس کی وجوہات تو بہت زیادہ ہیں، لیکن تین وجہ زیادہ مشہور ہیں:

بخاری شریف کے أصح من المسلم ہونے کی تین مشہور وجوہات

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ "بخاری شریف" کی روایات میں اتصال زیادہ پایا جاتا ہے بہ نسبت "مسلم شریف" کی روایات کے، اور وہ اس طرح کہ امام بخاریؒ نے "بخاری شریف" میں صحیح حدیث کے لینے میں یہ شرط لگائی ہے کہ راوی کی اپنے مروی عنہ سے

ملاقات ہوئی ہو، خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو، محض ہم عصر ہونا کافی نہیں، لہٰذا امام بخاریؒ ایسی روایات نہیں لیتے جس میں راوی اور مروی عنہ کا زمانہ تو ایک ہو لیکن ان کی باہم ملاقات نہ ہوئی ہو، جبکہ امام مسلمؒ کے نزدیک مسلم شریف میں صحیح حدیث لینے کے لئے راوی اور مروی عنہ کی ملاقات شرط نہیں صرف ہم عصر ہونا کافی ہے۔

دوسری وجہ

''بخاری شریف'' کے راوی زیادہ ثقہ ہیں بہ نسبت ''مسلم شریف'' کے راویوں کے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جن راویوں سے روایت کی ہے اور وہ ان راویوں سے روایت کرنے میں تنہا اور اکیلے ہیں، ان کی تعداد ۴۳۰ ہے اور ان ۴۳۰ میں جن پر ضعف کا طعن کیا گیا ہے، وہ کل ۸۰ ہیں، یعنی ۸۰ راوی متکلّم بالضعف ہیں، اس کے مقابلے میں امام مسلمؒ نے جن راویوں سے روایت کی ہے اور ان سے روایت لینے میں وہ اکیلے ہیں، ان کی تعداد ۶۲۰ ہے اور ان میں سے متکلّم بالضعف راوی ۱۶۰ ہیں۔

تو جن راویوں پر ضعف کا طعن کیا گیا ہے وہ ''مسلم شریف'' میں زیادہ ہیں اور ''بخاری شریف'' میں کم ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے ''بخاری شریف'' ''مسلم شریف'' سے بڑھ کر ہے۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ ائمۂ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام بخاریؒ علومِ حدیث اور اسنادِ حدیث کے جاننے میں امام مسلمؒ سے بڑھ کر ہیں اور پھر وہ امام مسلمؒ کے اُستاذ بھی ہیں، لہٰذا اس وجہ سے بھی بخاری شریف کا درجہ مسلم شریف سے بڑھا ہوا ہے۔

قوله: اختص مسلم بجمع طرق الحديث.

’’مسلم شریف‘‘ کی ایک خصوصیت

پہلے یہ بیان ہوا کہ ’’بخاری شریف‘‘ ’’مسلم شریف‘‘ سے افضل ہے، اب یہاں سے مصنفؒ ’’مسلم شریف‘‘ کی ایک خصوصیت ذکر فرمارہے ہیں کہ ’’مسلم شریف‘‘ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر ایک ہی جگہ میں حدیث کے تمام طرق جمع کردیے گئے ہیں، جبکہ ’’بخاری شریف‘‘ میں ایسا نہیں، یعنی امام مسلمؒ ایک باب کی تمام حدیثیں تمام سندوں کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع فرمادیتے ہیں، جس کی وجہ سے ’’مسلم شریف‘‘ میں حدیث کا تلاش کرنا آسان ہوتا ہے، جبکہ ’’بخاری شریف‘‘ میں انتہائی مشکل ہے، کیونکہ امام بخاریؒ کا انداز امام مسلمؒ سے الگ ہے، امام بخاریؒ حدیث کا ایک حصہ لیکر آتے ہیں جس سے ان کا مقصد ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا ہوتا ہے، پوری حدیث بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے وہ ایک ہی حدیث کا ایک حصہ ایک باب میں، دوسرا حصہ دوسرے باب میں اور تیسرا حصہ تیسرے باب میں ذکر کرتے ہیں، پوری حدیث ذکر نہیں کرتے، جبکہ ’’مسلم شریف‘‘ میں ایسا نہیں، اس اعتبار سے ’’مسلم شریف‘‘ ’’بخاری شریف‘‘ سے بہتر ہے، لیکن یہ فضیلت جزوی ہے، کلی نہیں، کلی فضیلت بہرحال ’’بخاری شریف‘‘ ہی کو حاصل ہے۔

متن

وَلَمْ يَسْتَوْعِبَا الصَّحِيْحَ وَلَا الْتَزَمَاهُ قِيْلَ: وَلَمْ يَفُتْهُمَا إِلَّا الْقَلِيْلُ وَ أُنْكِرَ هٰذَا، وَالصَّوَابُ أَنَّهُ لَمْ يَفُتِ الْأُصُوْلَ

الْخَمْسَةَ إِلَّا الْيَسِيْرُ أَعْنِي الصَّحِيْحَيْنِ وَسُنَنَ أَبِيْ دَاوُدَ

وَالتِّرْمِذِيْ وَالنَّسَائِيْ.

ترجمہ

اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیح احادیث کا استیعاب نہیں کیا اور نہ ہی اس کا التزام کیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ صحیح احادیث کا بہت کم حصہ ان دونوں سے رہا ہے، لیکن اس کا انکار کیا گیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اصولِ خمسہ یعنی صحیحین، سنن ابی داؤد، ترمذی اور نسائی شریف سے صحیح احادیث کا بہت کم حصہ رہ گیا ہے۔''

تشریح

تمام صحیح احادیث بخاری و مسلم میں آ گئی ہیں یا نہیں؟

قولہ: ولم یستوعبا الصحیح ولا التزماہ.

یہاں سے مصنفؒ اس کو بیان فرما رہے ہیں کہ بخاری و مسلم شریف کے اندر تمام صحیح احادیث نہیں ہیں اور نہ ان حضرات نے اس کا التزام کیا ہے، لہٰذا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جتنی بھی صحیح احادیث ہیں وہ ہماری کتاب میں آ گئی ہیں، نہ انہوں نے اس کا احاطہ کیا ہے اور نہ ہی اس کا التزام کیا ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں:

"مَا أَدْخَلْتُ فِيْ كِتَابِ الْجَامِعِ إِلَّا مَا صَحَّ وَ تَرَكْتُ مِنَ الصِّحَاحِ مَخَافَةَ الطُّوْلِ."

ترجمہ

یعنی میں نے اپنی کتاب "جامع" میں صرف احادیثِ صحیحہ ہی ذکر کی ہیں، البتہ بہت ساری احادیثِ صحیحہ میں نے طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں۔

اسی طرح امام مسلمؒ بھی فرماتے ہیں:

"لَیْسَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ وَضَعْتُهُ هٰهُنَا إِنَّمَا وَضَعْتُ فِیْهِ بِمَا أَجْمَعُوْا عَلَیْهِ".

"میں نے ہر قسم کی حدیث کو اپنی کتاب میں نہیں لکھا، بلکہ صرف وہی احادیث ذکر کی ہیں جس میں صحیح کی وہ شرائط موجود ہوں جن پر علماء کا اجماع ہے۔"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات رحمہما اللہ نے نہ احادیثِ صحیحہ کا احاطہ کیا ہے اور نہ ہی اس کا التزام کیا ہے۔

بخاری و مسلم سے اکثر احادیثِ صحیحہ رہ گئی ہیں یا اقل؟

قوله: ولم يفتهما إلا القليل وأنكر هذا.

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جب تمام احادیثِ صحیحہ کا التزام نہیں کیا تو سوال ہوتا ہے کہ ان سے اکثر احادیثِ صحیحہ رہ گئی ہیں یا اقل؟

تو اس میں دو قول ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اکثر احادیث رہ گئی ہیں اور

بعض کہتے ہیں کہ اقل رہ گئی ہیں، جو حضرات اکثر کے قائل ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوریؒ نے صحیحین پر "مستدرک" لکھی ہے، یعنی جو احادیث امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے نہیں لیں، حالانکہ وہ ان کی شرائط کے موافق بھی تھیں، لیکن انہوں نے انہیں چھوڑ دیا تو ایسی احادیث کو امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب "مستدرک" میں جمع کیا ہے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ ومسلمؒ سے احادیثِ صحاح کا اکثر حصہ رہ گیا ہے۔

قوله: والصواب انه لم يفت الاصول الخمسة الا اليسير.

یہاں سے امام نوویؒ فیصلہ کر رہے ہیں کہ اکثر رہ گئی ہیں، لیکن اگر پانچ کتابوں کو دیکھا جائے تو اکثر آ گئی ہیں اور کم رہ گئی ہیں، اور پانچ کتابوں سے مراد بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود اور نسائی شریف ہے، یعنی ان پانچ کتابوں کو ملائیں اور انکی احادیث شمار کریں تو اکثر احادیث صحیحہ ان میں آ گئی ہیں اور کم رہ گئی ہیں۔

متن

وَجُمْلَةُ مَا فِي الْبُخَارِيِّ سَبْعَةُ آلَافٍ وَمِأَتَانِ وَخَمْسَةٌ وَّسَبْعُوْنَ حَدِيْثًا بِالْمُكَرَّرَةِ. وَبِحَذْفِ الْمُكَرَّرَةِ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَمُسْلِمٌ بِإِسْقَاطِ الْمُكَرَّرَةِ نَحْوُ أَرْبَعَةِ آلَافٍ.

ترجمہ

اور "بخاری شریف" کی کل احادیث تکرار کے ساتھ سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور تکرار کے بغیر چار ہزار ہیں، اور "مسلم شریف" کی تمام

احادیث تکرار کے بغیر چار ہزار ہیں۔''

تشریح

بخاری و مسلم میں احادیث کی تعداد

اب مزید فائدے کے لئے امام نوویؒ ''بخاری و مسلم شریف'' کی احادیث کی تعداد بیان فرما رہے ہیں کہ ''بخاری شریف'' میں اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل احادیث چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں اور اگر مکررات کو ملا لیا جائے تو کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہیں۔

اس کے علاوہ بھی دیگر اقوال ہیں جو متن کے نیچے شرح میں مذکور ہیں، اور ''مسلم شریف'' میں اگر مکررات کو حذف کر کے شمار کیا جائے تو چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں اور اگر مکررات کے ساتھ شمار کریں تو ایک قول کے مطابق آٹھ ہزار (۸۰۰۰) اور دوسرے قول کے مطابق بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) احادیث ہیں۔

متن

ثُمَّ اِنَّ الزِّيَادَةَ فِيْ الصَّحِيْحِ تُعْرَفُ مِنَ السُّنَنِ الْمُعْتَمَدَةِ كَسُنَنِ أَبِيْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَ النَّسَائِيِّ وَ ابْنِ خُزَيْمَةَ وَ الدَّارِ قُطْنِيِّ وَالْحَاكِمِ وَالْبَيْهَقِيِّ وَ غَيْرِهَا مَنْصُوْصًا عَلٰى صِحَّتِهٖ. وَلَا يَكْفِيْ وُجُوْدُهٗ فِيْهَا إِلَّا فِيْ كِتَابِ مَنْ شَرَطَ الْاِقْتِصَارَ عَلَى الصَّحِيْحِ.

ترجمہ

پھر بلاشبہ باقی صحیح احادیث سنن معتبرہ سے معلوم ہوسکتی ہیں جیسے سنن أبی داؤد، ترمذی، نسائی، صحیح ابن خزیمہ، دارِ قطنی، حاکم اور بیہقی وغیرہ، بشرطیکہ ان احادیث کی صحت پر تصریح کی گئی ہو۔ اور حدیث کا محض ان کتابوں میں ہونا کافی نہیں الا یہ کہ وہ حدیث ایسی کتاب میں ہو جس کے مؤلف نے صحیح احادیث پر اکتفاء کرنے کا التزام کیا ہو۔

تشریح

بخاری و مسلم کے علاوہ صحیح احادیث کہاں سے معلوم ہوں گی؟

''بخاری و مسلم شریف'' کے علاوہ جو صحیح احادیث ہیں، وہ کہاں سے معلوم ہوں گی؟ اس بارے میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ زائد احادیث سنن معتبرہ سے معلوم ہوں گی، لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ ان کے صحیح ہونے کی علماءِ حدیث کی طرف سے صراحت ہو، یعنی حدیث کا مطلقاً ان کتابوں کے اندر مذکور ہونا اس کے صحیح ہونے کی علامت نہیں، بلکہ ان کتابوں کے اندر مذکور ہونے کے ساتھ ساتھ کسی امامِ حدیث کی اس حدیث کے بارے میں صحیح ہونے کی تصریح بھی موجود ہو، تب وہ حدیث معتبر ہوگی۔

البتہ ایک صورت اس شرط سے مستثنیٰ ہے کہ وہ حدیث ایسی کتاب میں ہو جس کے اندر مصنفؒ نے صحیح حدیث پر اکتفاء کرنے کی شرط لگائی ہو کہ میں اپنی اس کتاب میں صرف اور صرف صحیح احادیث لوں گا، غیر صحیح نہیں لوں گا، تو اس میں تصریح کی ضرورت نہیں، حدیث کا اس کتاب میں ہونا ہی کافی ہے، جیسے صحیح ابن

خزیمہ، صحیح ابن سکن، یہ دونوں کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے مصنفین نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث بیان کریں گے۔

لہٰذا جو حدیث ان کتابوں میں آئے گی اس کے بارے میں صحیح ہونے حکم لگایا جائے گا، چاہے کسی امام کی جانب سے صحیح ہونے کی صراحت ہو یا نہ ہو، البتہ باقی کتابوں کے لئے کسی امام کی جانب سے صحیح ہونے کی صراحت ضروری ہے۔

متن

وَاعْتَنَى الْحَاكِمُ بِضَبْطِ الزَّائِدِ عَلَيْهِمَا وَ هُوَ مُتَسَاهِلٌ، فَمَا صَحَّحَهُ وَ لَمْ نَجِدْ فِيْهِ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْمُعْتَمِدِيْنَ تَصْحِيْحًا وَلَا تَضْعِيْفًا حَكَمْنَا بِأَنَّهُ حَسَنٌ إِلَّا أَنْ يَّظْهَرَ فِيْهِ عِلَّةٌ تُوْجِبُ ضُعْفَهُ. وَ يُقَارِبُهُ فِيْ حُكْمِهٖ صَحِيْحُ أَبِيْ حَاتِمِ ابْنِ حِبَّانَ.

ترجمہ

اور امام حاکمؒ نے بخاری و مسلم پر زائد احادیث کے ضبط کرنے کا اہتمام کیا ہے، مگر وہ متساہل ہیں، لہٰذا جس حدیث کی وہ تصحیح کریں اور ہم کتب معتمدہ میں سے کسی کتاب میں نہ اس حدیث کی تصحیح پائیں اور نہ تضعیف تو ہم اس کے حسن ہونے کا حکم لگائیں گے، البتہ اگر اس میں کوئی ایسی علت ظاہر ہو جائے جو اس کے ضعف کو واجب کر دے (تو اس وقت یہ حسن بھی نہیں رہے گی) اور مستدرک حاکم کے قریب اسی کے حکم میں امام ابو حاتم کی "صحیح ابن حبان" ہے۔

تشریح

مستدرکِ حاکم کی حیثیت

قوله: واعتنى الحاكم بضبط الزائد عليهما وهو متساهل.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام حاکم شہیدؒ نے صحیحین پر "مستدرک" لکھی ہے، یعنی جو احادیث امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین میں ذکر نہیں کیں، حالانکہ وہ ان کی شرائط کے موافق بھی تھیں، تو ایسی احادیث کو امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں جمع کیا اور بعض احادیث کے بارے میں "صحیح علی شرطھما" فرمایا، اور بعض احادیث کے بارے میں "صحیح علی شرط أحدھما" فرمایا۔

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام حاکمؒ احادیث کے بیان کرنے میں متساہل ہیں، یعنی سست ہیں، پورے تیقظ اور بیداری کے ساتھ حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے، معمولی حیثیت میں بھی حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں۔

امام نوویؒ کے علاوہ بعض محدثینؒ نے بھی ان پر جرح کی ہے۔

لیکن یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ تساہل کن احادیث میں ہیں؟ اور اس کی کیا وجہ ہے؟ اصل میں ایسا ہوا کہ جب امام حاکمؒ نے "مستدرک" لکھی تو نظرِ ثانی کرنے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے، اس وجہ سے بعض روایتوں کے بارے میں نظرِ ثانی نہ ہونے کی وجہ سے کمزوری رہ گئی، تو تساہل اس اعتبار سے ہیں نہ کہ کلی اعتبار سے۔

قوله: فما صححه ولم نجد فيه الخ.

مصنفؒ نے امام حاکمؒ کو چونکہ متساہل کہا ہے، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کی امام حاکمؒ تصحیح بیان کریں اور ان کے علاوہ کسی معتمد امام نے اس حدیث کی تصحیح یا تضعیف نہ کی ہو تو اس حدیث پر حسن کا حکم لگایا جائے گا، جبکہ کوئی ایسی علّت ظاہر نہ ہو جو اس میں ضعف پیدا کر دے، اور اگر اس میں کوئی ایسی علّت ظاہر ہو گی تو پھر وہ حدیث حسن بھی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ حدیث "صحیح" کے درجے سے اُتر کر "حسن" کے درجے میں آ جائے گی اور "حسن" بھی جب ہو گی جبکہ اس میں کوئی ایسی علّت نہ ہو جو اس میں ضعف پیدا کر دے۔

صحیح ابنِ حبّان کا درجہ

قوله: ويقاربه في حكمه الخ.

اس کے قریب اور اسی کے حکم میں امام ابو حاتمؒ کی "صحیح ابن حبّان" ہے، یعنی جیسے امام حاکمؒ "مستدرک" کے اندر متساہل ہیں، ایسے ہی امام ابو حاتمؒ بھی "صحیح ابن حبّان" میں متساہل ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حاتمؒ کی کتاب "صحیح ابن حبّان" کے بارے میں تساہل کہتے ہوئے اس کی نسبت تضعیف کی طرف کرنا درست نہیں، کیونکہ جیسے "صحیح ابن خزیمہ" بلاشبہ "مستدرکِ حاکم" سے بڑھ کر ہے، ایسے ہی "صحیح ابن حبّان" بھی بلاشبہ "مستدرکِ حاکم" سے بڑھ کر ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ "صحیح ابن حبّان" "مستدرکِ حاکم" کے قریب یا اس کے حکم میں ہے، درست نہیں ہے۔

متن

اَلثَّالِثَةُ: اَلْكُتُبُ الْمُخَرَّجَةُ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ لَمْ يُلْتَزَمْ فِيْهَا مُوَافَقَتُهُمَا فِي الْأَلْفَاظِ فَحَصَلَ فِيْهَا تَفَاوُتٌ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنٰى، وَكَذَا مَا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْبَغَوِيُّ وَشِبْهُهُمَا قَائِلِيْنَ: "رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ أَوْ مُسْلِمٌ" وَقَعَ فِيْ بَعْضِهٖ تَفَاوُتٌ فِي الْمَعْنٰى فَمُرَادُهُمْ أَنَّهُمَا رَوَيَا أَصْلَهٗ فَلَا يَجُوْزُ أَنْ تَنْقُلَ مِنْهَا حَدِيْثًا وَتَقُوْلَ هُوَ كَذَا فِيْهِمَا إِلَّا أَنْ تُقَابِلَهٗ بِهِمَا أَوْ يَقُوْلَ الْمُصَنِّفُ "أَخْرَجَاهُ بِلَفْظِهٖ".

ترجمہ

تیسرا مسئلہ: "کتب مستخرجه على الصحيحين" میں صحیحین کے الفاظ کی موافقت کا التزام نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا ان میں لفظ اور معنٰی میں فرق ہوتا ہے، اسی طریقے سے وہ احادیث جن کو امام بیہقیؒ، امام بغویؒ اور ان کے مشابہ دیگر حضراتؒ نے یہ کہتے ہوئے روایت کیا ہے کہ اس حدیث کو بخاریؒ یا مسلمؒ نے روایت کیا ہے، ایسی بعض احادیث میں بھی معنٰی میں فرق ہوجاتا

ہے، اس لئے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے اس کی اصل کو روایت کیا ہے۔ لہٰذا جائز نہیں کہ آپ ان کُتُب مستخرجہ سے حدیث نقل کریں اور یہ کہیں کہ صحیحین میں اسی طرح ہے الّا یہ کہ آپ ان کا آپس میں تقابل کرلیں، یا پھر مصنفؒ یہ کہے کہ امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے ان کی تخریج ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔''

تشریح

تیسرا مسئلہ: کتب مستخرجة علی الصحیحین

قوله: الكتب المخرّجة على الصحيحين.

یہاں سے مصنفؒ صحیح حدیث کے متعلق تیسرا مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ صحیحین پر بہت سی مستخرجات لکھی گئی ہیں، مستخرجات مستخرجہ کی جمع ہے اور مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں کہ کوئی مصنفؒ حدیث کی کوئی کتاب لے اور اس میں جو حدیثیں مذکور ہیں، ان کو اپنی سند سے اس طرح بیان کرے کہ اس کتاب کے مصنفؒ کے شیخ یا شیخ الشیخ تک اس کو پہنچادے ایسی کتاب کو مستخرج کہتے ہیں۔ مثلاً

بعض حضرات نے بخاری شریف یا مسلم شریف کو لیا اور اس میں جو حدیثیں مذکور ہیں، ان کو اپنی سند سے بخاریؒ یا مسلمؒ کے شیخ یا شیخ الشیخ تک پہنچادیا۔

جیسے ''مستخرج إسماعیلی'' اور ''مستخرج أبی بکر ابن مردویه'' یہ دونوں بخاری شریف پر ہیں، اور ''مستخرج ابی سعید بن ابی عثمان الحیری ''مسلم شریف پر ہے اور ''مستخرج ابی بکر بن عبران الشیرازی'' یہ

بخاری ومسلم دونوں پر ہے۔

قوله: لم يلتزم فيها موافقتهما.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو مستخرجات ہیں، ان کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے اندر بخاری ومسلم شریف کے الفاظ کے ساتھ موافقت کا التزام نہیں کیا ہے، یعنی بخاری ومسلم شریف میں حدیثِ پاک کے جو الفاظ ہیں ان میں اور بخاری ومسلم شریف پر جو مستخرجات لکھی گئی ہیں، ان کے الفاظ میں فرق ہوتا ہے۔

جس کی وجہ سے الفاظ اور معنٰی دونوں میں کہیں کہیں فرق ہوتا ہے، مگر کم ہوتا ہے، الفاظ میں کم اور معنٰی میں اس سے بھی کم، لیکن بہرحال بعینہٖ مستخرج کے الفاظ کا اصل کتاب کے الفاظ کے برابر ہونا ضروری نہیں، کیونکہ انہوں نے اس کا التزام نہیں کیا ہے۔

جیسے امام بیہقیؒ، امام بغویؒ اور ان جیسے حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے "رواه البخاری أو مسلم" جبکہ بعض جگہ معنٰی میں بھی فرق ہے، اور بعض جگہ الفاظ کا فرق ہے، لیکن اس فرق کے باوجود وہ "رواه البخاری أو مسلم" کہہ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان حدیثوں کی اصل روایت کی ہے اور ہم ان کے قریب قریب نقل کر رہے ہیں۔

لہٰذا ایسا کوئی نہیں کر سکتا کہ حدیث تو اپنی کتاب میں بیان کرے اور کہے کہ یہ بعینہٖ بخاری شریف میں ہے، ہاں! اگر ایسا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اس حدیث کو بخاری شریف یا مسلم شریف کی حدیث کے ساتھ ملا لے اور دیکھے کہ بعینہٖ اسی طرح ہے یا نہیں؟ اگر ہے، تو رواه البخاری یا رواه مسلم کہہ سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

یا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مصنفؒ یہ کہدے "أخرجاه بلفظه" کہ بخاریؒ و مسلمؒ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، اگر اس طرح کہے، تب بھی صحیح ہے، لیکن بہر حال اپنی مستخرج میں بیان کی ہوئی حدیث کے بارے میں مطلقاً "رواه البخاری أومسلم" نہیں کہہ سکتا، کیونکہ انہوں نے بعینہٖ نقل کرنے کا التزام نہیں کیا، بلکہ لفظاً اور معنًی فرق ہوتا ہے، اور جب فرق ہے تو پھر "رواه البخاری أو مسلم" کہنا درست نہ ہوگا؟

متن

بِخِلَافِ الْمُخْتَصَرَاتِ مِنَ الصَّحِيْحَيْنِ فَإِنَّهُمْ نَقَلُوْا فِيْهَا أَلْفَاظَهُمَا. وَ لِلْكُتُبِ الْمُخَرَّجَةِ عَلَيْهِمَا فَائِدَتَانِ: عُلُوُّ الْإِسْنَادِ وَ زِيَادَةُ الصَّحِيْحِ، فَإِنَّ تِلْكَ الزِّيَادَاتِ صَحِيْحَةٌ لِكَوْنِهَا بِإِسْنَادِهِمَا.

ترجمہ

"بخلاف "مختصرات" کے کہ انہوں نے اپنی "مختصرات" میں بخاری و مسلم شریف کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اور کتبِ مستخرجہ علی الصحیحین کے دو فائدے ہیں: (۱)... علو اسناد (۲)... احادیثِ صحیحہ میں اضافہ۔ کیونکہ یہ اضافے بھی صحیح ہیں، اسلئے کہ وہ بخاری و مسلم شریف کی سندوں کے ساتھ ہیں۔

تشریح

مختصر کی تعریف

قوله: بخلاف المختصرات من الصحيحين.

ماقبل کی ساری تفصیل مستخرج کے بارے میں تھی، اور ایک کتاب ہوتی ہے "مختصر" اور مختصَر میں چونکہ "مختصِر" اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ بخاری اور مسلم شریف کے جو الفاظ ہیں، بعینہ وہ الفاظ نقل کرے، اس لیے وہ "رواہ البخاری او مسلم" کہہ سکتا ہے۔

مختصَر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی حدیث کی کتاب کا تکرار وغیرہ حذف کر کے خلاصہ لے لیا جائے اور اس کے الفاظ بعینہ اسی کتاب کے ہوں، اور جب الفاظ بعینہ ہوں گے تو مختصَر کا حکم مستخرج کی طرح نہیں ہوگا۔

جیسے الجمع بين الصحيحين علامہ عبدالحقؒ کی، اس کی روایات کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بخاری و مسلم میں اسی طرح ہے۔

کتبِ مستخرجه" کے دو فائدے

قوله: وللكتب المخرّجة عليهما فائدتان.

اب آخر میں مستخرج لکھنے کا فائدہ بیان فرمایا کہ اس کے لکھنے میں دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ

یہ ہے کہ اس سے سند عالی ہو جاتی ہے اور سند کا عالی ہونا بھی حضراتِ محدثین کے نزدیک بہت بڑا فائدہ ہے۔

دوسرا فائدہ

مستخرج میں جو احادیث ہوں گی وہ بھی صحیح ہوں گی، اس طرح صحیح احادیث میں اضافہ ہوگا، یہ بھی بہترین اور زبردست فائدہ ہے۔

متن

اَلرَّابِعَةُ: مَا رَوَيَاهُ بِالْإِسْنَادِ الْمُتَّصِلِ فَهُوَ الْمَحْكُوْمُ بِصِحَّتِهٖ، وَ أَمَّا مَا حُذِفَ مِنْ مُبْتَدَإِ إِسْنَادِهٖ وَاحِدٌ أَوْ أَكْثَرُ فَمَا كَانَ مِنْهُ بِصِيْغَةِ الْجَزْمِ كَقَالَ وَ فَعَلَ وَ أَمَرَ وَ رَوٰى وَ ذَكَرَ فُلَانٌ فَهُوَ حُكْمٌ بِصِحَّتِهٖ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ. وَ مَا لَيْسَ فِيْهِ جَزْمٌ كَيُرْوٰى وَ يُذْكَرُ وَ يُحْكٰى وَ يُقَالُ وَ رُوِيَ وَ ذُكِرَ وَ حُكِيَ عَنْ فُلَانٍ كَذَا فَلَيْسَ فِيْهِ حُكْمٌ بِصِحَّتِهٖ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ. وَ لَيْسَ بِوَاهٍ لِإِدْخَالِهٖ فِي الْكِتَابِ الْمَوْسُوْمِ بِالصَّحِيْحِ.

ترجمہ

چوتھا مسئلہ: وہ حدیث جس کو امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے سندِ متصل کے ساتھ روایت کیا ہے اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا، اور اگر سند کے شروع سے ایک راوی یا اس سے زیادہ کو حذف کردیا گیا ہو تو جو روایت ان میں سے صیغۂ جزم کے ساتھ مروی ہو جیسے قال، فعل، أمر، روی اور ذکر فلان وغیرہ، تو منسوب الیہ کی نسبت سے

حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

اور جو روایت ان میں صیغۂ جزم کے ساتھ مروی نہ ہو جیسے یروی، یذکر، یحکی، یُقال، رُوی، ذُکر، اور حُکی فلان وغیرہ تو پھر جن سے یہ روایت منقول ہے ان کی نسبت سے حدیث پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن یہ بالکل ضعیف بھی نہ ہوں گی، کیونکہ یہ احادیث ان کتابوں میں مذکور ہیں جن کو صحیح کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔"

تشریح

بخاری و مسلم کی تعلیقات

قوله: ما رويا بالإسناد المتصل الخ.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ صحیح کے سلسلے میں چوتھا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ بخاری و مسلم شریف میں جو روایات سندِ متصل کے ساتھ مذکور ہیں، ان کی صحت کا حکم تو قطعی طور پر ہے اور کچھ روایات بخاری و مسلم شریف میں ایسی ہیں جو معلّق ہیں، اور حدیث معلّق اسے کہتے ہیں جس کی سند کے شروع سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی حذف کر دیے گئے ہوں۔

اس طرح بخاری و مسلم شریف میں کچھ معلّقات بھی ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں تقریباً (۱۳۴۱) تعلیقات ہیں اور مسلم شریف میں تقریباً (۲۰) ہیں، اور بخاری شریف میں جو (۱۳۴۱) تعلیقات ہیں، ان میں سے اکثر تعلیقات کو امام بخاریؒ نے دوسری جگہ سندِ متّصل کے ساتھ بھی روایت کیا ہے، تو کہیں یہ موصولاً مروی ہیں اور کہیں معلّقاً مروی ہیں، اور ان میں سے (۱۶۰) احادیث بخاری شریف

میں ایسی ہیں جو صرف معلقاً مروی ہیں، موصولاً کہیں بھی مذکور نہیں ہیں۔

تعلیقاتِ بخاری کی دو صورتیں اور ان کا حکم

قوله: فما كان منه بصيغة الجزم.

مصنفؒ یہاں سے ان تعلیقات کی مزید تشریح فرما رہے ہیں کہ یہ تعلیقات دو طرح کی ہیں:

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ تعلیقات صیغۂ جزم یعنی معروف کے صیغہ کے ساتھ مروی ہوں جیسے قال، فعل، امر، روی، ذکر فلان وغیرہ، یہ الفاظِ جزم کہلاتے ہیں، اگر ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت منقول ہو تو ایسی احادیثِ معلقہ پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

عبارت میں مضاف الیہ سے مراد منسوب الیہ ہے، یعنی ان کی نسبت سے صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

دوسری صورت

اور اگر یہ روایاتِ معلقہ ایسے صیغوں سے مروی ہوں جن میں جزم نہیں پایا جاتا اور وہ مجہول کے صیغے ہوں جیسے یقال، روی، ذکر، حکی عن فلان کذا، تو جن سے یہ روایات منقول ہیں، ان کی نسبت سے ان پر صحت کا حکم قطعی طور پر نہیں لگایا جا سکتا، لیکن ساتھ ساتھ یہ ہے کہ یہ روایات بالکل ضعیف بھی نہیں ہوں گی، کیونکہ یہ احادیث ان کتابوں میں مذکور ہیں جن کو صحیح کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہوا کہ تعلیقات کو اگر صیغۂ جزم سے روایت کیا جائے تو منسوب الیہ کی نسبت سے اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا اور اگر صیغۂ جزم سے مروی نہیں تو پھر صحت کا حکم نہیں لگے گا، البتہ بالکل ضعیف بھی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ روایات ''بخاری شریف'' میں مذکور ہیں، جس کی صحت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

متن

اَلْخَامِسَةُ: اَلصَّحِيْحُ أَقْسَامٌ: أَعْلَاهَا مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَ مُسْلِمٌ ثُمَّ مَا انْفَرَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ ثُمَّ مُسْلِمٌ ثُمَّ عَلٰى شَرْطِهِمَا ثُمَّ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ ثُمَّ مُسْلِمٍ ثُمَّ صَحِيْحٌ عِنْدَ غَيْرِهِمَا.

ترجمہ

پانچواں مسئلہ: حدیثِ صحیح کی اقسام: حدیث صحیح کی کئی اقسام ہیں، سب سے اعلیٰ حدیث وہ ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہو، پھر وہ ہے جس کو صرف امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہو، پھر اس کا درجہ ہے جس کو صرف امام مسلمؒ نے ذکر فرمایا ہو، پھر وہ ہے جو بخاری و مسلم دونوں کی شرائط کے مطابق ہو، پھر اس کا درجہ ہے جو صرف امام بخاریؒ کی شرط کے موافق ہو، پھر وہ ہے جو صرف امام مسلمؒ کی شرط

کے مطابق ہو، پھر اس حدیث کا درجہ ہے جو حضراتِ شیخین کے علاوہ
دیگر حضرات کے نزدیک صحیح ہو۔

تشریح

حدیثِ صحیح کے (۷) درجات

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ صحیح کے سلسلے میں پانچواں مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ حدیثِ صحیح کے مختلف درجات اور مراتب ہیں، اور انہیں درجات کے اعتبار سے حدیث کو افضلیت حاصل ہوتی ہے، یہاں مصنفؒ نے افضلیتِ حدیث کے اعتبار سے حدیث کے سات (۷) مراتب بیان فرمائے ہیں۔

(۱)..... سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث وہ ہے جو "بخاری و مسلم شریف" دونوں میں مذکور ہو، ایسی حدیث کو متفق علیہ کہتے ہیں۔

(۲)..... پھر وہ حدیث ہے جو صرف بخاری شریف میں مذکور ہو۔

(۳)..... پھر وہ حدیث ہے جو صرف مسلم شریف میں مذکور ہو۔

(۴)..... پھر وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ و امام مسلمؒ دونوں کی شرائط کے مطابق ہو، جسے " صحیح علی شرط الشیخین" کہا جاتا ہے۔

(۵)..... پھر وہ حدیث ہے جو صرف امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق ہو۔

(۶)..... پھر وہ حدیث جو صرف امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق ہو۔

(۷)..... ان کے بعد اس حدیث کا درجہ آتا ہے جو بخاری و مسلم شریف میں سے کسی میں مذکور نہ ہو اور نہ ہی شیخین کی شرائط کے مطابق ہو، لیکن صحیح الاسناد ہو، یہ سب سے آخری درجہ ہے۔ اس ترتیب سے افضلیتِ حدیث کے سات (۷) درجات ہو گئے۔

متن

وَ إِذَا قَالُوْا: صَحِيْحٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ أَوْ عَلٰى صِحَّتِهٖ فَمُرَادُهُمْ اِتِّفَاقُ الشَّيْخَيْنِ. وَ ذَكَرَ الشَّيْخُ أَنَّ مَا رَوَيَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَهُوَ مَقْطُوْعٌ بِصِحَّتِهٖ وَ الْعِلْمُ الْقَطْعِيُّ حَاصِلٌ فِيْهِ، وَ خَالَفَهُ الْمُحَقِّقُوْنَ وَ الْأَكْثَرُوْنَ فَقَالُوْا: يُفِيْدُ الظَّنَّ مَا لَمْ يَتَوَاتَرْ.

ترجمہ

اور جب علماء کسی حدیث کے بارے میں "هذا صحيح متفق عليه أو متفق على صحته" کہیں تو اس سے ان کی مراد امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور شیخ ابن صلاحؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ جس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں ذکر کریں یا ان میں سے کوئی ایک ذکر کرے تو اس کی صحت کا قطعی حکم لگایا جائے گا اور اس سے علمِ یقینی قطعی حاصل ہوگا۔ محققین اور اکثر حضرات نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث ظن کا فائدہ دے گی جب تک وہ متواتر نہ ہو۔

تشریح

قوله: وإذا قالوا: صحيح متفق عليه الخ.

یہاں ان مراتب کو بیان کرنے کے بعد مزید تشریح کرتے ہوئے مصنفؒ

نے فرمایا کہ جب علماءِ حدیث کسی حدیث کے بارے میں "هذا صحيح متفق عليه" یا "هذا حديث متفق على صحته" کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کے نقل کرنے میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں متفق ہیں اور دونوں نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

صحیحین کی احادیث علمِ قطعی کا فائدہ دیں گی یا نہیں؟

قوله: وذكر الشيخ أن ما روياه الخ.

یہاں مصنفؒ ایک مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ جو حدیث بخاری و مسلم شریف میں مذکور ہو، وہ علمِ قطعی یقینی کا فائدہ دے گی یا نہیں؟ اس میں حافظ علامہ ابن الصلاحؒ اور محققین اور جمہورِ محدثین کا اختلاف ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ یہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں روایت کریں یا ان میں سے کوئی ایک روایت کرے تو یہ اس کے صحیح ہونے کا قطعی حکم ہوگا اور وہ حدیث علمِ قطعی یقینی کا فائدہ دے گی، وجہ اس کی یہ ہے کہ علماءِ امت نے صحیحین کی احادیث کو بالاتفاق قبول کیا ہے اور علماءِ امت کا اس کو قبول کرنا اس کی صحت کی قوی دلیل ہے۔

قوله: وخالفه المحققون الخ

محققین اور اکثر علماءِ حدیث نے حافظ ابن الصلاحؒ کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ علمِ یقینی کا فائدہ صرف خبرِ متواتر دیتی ہے، اگر حدیث متواتر نہ ہو، پھر خواہ وہ صحیح ہو، حسن ہو، مشہور ہو، عزیز ہو، یا غریب، علمِ یقینی کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ علمِ ظنی کا فائدہ دے گی، اور بخاری اور مسلم شریف کی احادیث کی قبولیتِ

عامّہ اوران کے واجبُ العمل ہونے پراجماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قطعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

فائدہ

حق بات یہی ہے جو علّامہ ابن الصلاحؒ نے فرمائی ہےاوران کا موقف راجح ہے، کیونکہ اکثر علماء ومحدثینؒ سے یہی منقول ہے کہ تعاملِ امّت اورعلماء کا کسی چیز کو بالاتفاق قبول کرلینا یہ علمِ یقینی قطعی کا فائدہ دیتا ہے، نیز حضراتِ شوافع میں سے محدثین کی ایک جماعت نے بھی علامہ ابن الصلاحؒ کے موقف کو راجح قرار دیا ہے، البتہ جمہور کا موقف اپنی جگہ برقرار ہے۔

متن

اَلسَّادِسَةُ: مَنْ رَأَى فِيْ هٰذِهِ الْأَزْمَانِ حَدِيْثًا صَحِيْحَ الْإِسْنَادِ فِيْ كِتَابٍ أَوْ جُزْءٍ لَمْ يُنَصَّ عَلٰى صِحَّتِهٖ حَافِظٌ مُعْتَمَدٌ.قَالَ الشَّيْخُ: لَا يُحْكَمُ بِصِحَّتِهٖ لِضُعْفِ أَهْلِيَّةِ أَهْلِ هٰذِهِ الْأَزْمَانِ، وَ الْأَظْهَرُ عِنْدِيْ جَوَازُهٗ لِمَنْ تَمَكَّنَ وَ قَوِيَتْ مَعْرِفَتُهٗ. وَ مَنْ أَرَادَ الْعَمَلَ بِحَدِيْثٍ مِنْ كِتَابٍ فَطَرِيْقُهٗ أَنْ يَّأْخُذَهٗ مِنْ نُسْخَةٍ مُعْتَمَدَةٍ قَابَلَهَا هُوَ أَوْ ثِقَةٌ بِأُصُوْلٍ صَحِيْحَةٍ

فَإِنْ قَابَلَهَا بِأَصْلٍ مُحَقَّقٍ مُعْتَمَدٍ أَجْزَأَهُ.

ترجمہ

چھٹا مسئلہ: جو شخص اس زمانے میں کسی کتاب یا جزء میں کوئی صحیح الاسناد حدیث دیکھے اور کسی حافظ الاسناد معتمد نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح نہ کی ہو، تو علامہ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگوں کی اہلیت کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے اس کی صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور میرے نزدیک اس کی صحت کا جواز اظہر ہے ان لوگوں کے لیے جن کو قدرت ہو اور ان کی معرفت قوی ہو۔ اور جو شخص کسی کتاب کی کسی حدیث پر عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیث کو کسی ایسے معتمد نسخہ سے لے کہ اس نے خود یا کسی ثقہ نے اصولِ صحیحہ کے ساتھ اس نسخے کا تقابل کیا ہو، چنانچہ اگر وہ اس حدیث کا قابلِ اعتماد نسخے سے تقابل کرلے تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔"

تشریح

صحیح الاسناد حدیث کا حکم

قولہ: من رأى في هذه الأزمان

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ صحیح کے متعلق چھٹا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس زمانے میں کسی کتاب یا جزء میں ایک ایسی حدیث دیکھے جو صحیح الاسناد ہو، لیکن کسی حافظ و معتمد محدث نے اس کے صحیح ہونے کی

صراحت نہ کی ہو تو آیا ایسی حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟

اس کے بارے میں علامہ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسکی دو وجہ ہیں: ایک یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں میں حدیث کی اہلیت بہت کمزور ہو چکی ہے، جسکی وجہ سے وہ اپنے اندر صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لہٰذا ایسی حدیث پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مذکورہ حدیث صحیح ہوتی تو ائمۂ متقدمینؒ ضرور اس کی صحت کی تصریح کرتے، لیکن جب انہوں نے تصریح نہیں کی تو معلوم ہوا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

قوله: والأظهر عندي جوازه الخ

مصنفؒ اور بعض متاخرین نے علامہ ابن الصلاحؒ کے اس قول کی مخالفت کی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص صحیح اور غیر صحیح میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ صحیح حدیث کو اچھی طرح پہچان سکتا ہو، اس سلسلے میں اس کی معرفت قوی ہو تو ایسے شخص کے لئے حدیث پر صحت کا حکم لگانا جائز ہے، اور بعض متاخرین نے ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگایا بھی ہے، مثلاً ابو الحسن علی بن عبد الملک بن قطان جو کتاب الوھم والاوھام کے مصنفؒ ہیں، انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی حدیث:

"إنه كان يتوضأ ونعلاه في رجليه ويمسح عليهما" (۱)

کی تصحیح فرمائی ہے۔

ایسے ہی مشہور محدّث حافظ شرف الدین دمیاطیؒ نے حضرت جابر

(۱) نصب الراية ج ۱ ص ۱۸۸، باب المسح على الخفين.

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی تصحیح فرمائی ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

"ماء زمزم لما شرب له"(١)

اسی طریقے سے حافظ ضیاء الدین محمد بن الواحد المقدسی نے "المختارہ" نام کی ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اور اس میں انہوں نے ان روایات کی تصحیح کی ہے، جن کی متقدمین میں سے کسی نے تصحیح نہیں کی تھی۔

بہرحال متاخرین کا موقف یہ ہے کہ ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

قوله: ومن أراد العمل بحديث الخ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کتاب میں کوئی حدیث دیکھے تو وہ اس پر کس طرح عمل کرے گا؟ کیونکہ آپ نے تو کہہ دیا کہ کسی کتاب میں اگر کوئی صحیح الاسناد حدیث ملے اور جب تک اس پر کسی حافظ معتمد کے تصحیح کرنے کی صراحت نہ ہو، وہ صحیح قرار نہیں دی جاسکتی، اور عمل کرنے کے لیے صحیح حدیث چاہئے، کیونکہ ضعیف حدیث متروک ہوتی ہے، فضائل کے سوا کہیں اور معتبر نہیں ہوتی، پھر اس پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب

مصنفؒ نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ وہ اس حدیث کو کسی معتمد نسخے کے ساتھ خود یا کوئی ثقہ شخص تقابل کرلے کہ اصل کتاب میں اسی طرح ہے یا نہیں؟ لہٰذا اگر اس حدیث کا کسی قابلِ اعتماد نسخے سے تقابل کرلے تو اس کے لئے اس حدیث پر عمل کرنا درست ہوگا، اور بغیر تقابل کے درست نہ ہوگا۔

(١) ابن ماجه ج٢ ص١٠١٧، حديث نمبر ٣٠٦٢، باب الشرب من زمزم.

یہاں تک صحیح حدیث مع اپنے مسائل کے پوری ہوئی، فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّانِيْ: اَلْحَسَنُ، قَالَ الْخَطَّابِيُّ: هُوَ مَا عُرِفَ مَخْرَجُهُ وَ اشْتَهَرَ رِجَالُهُ وَ عَلَيْهِ مَدَارُ أَكْثَرِ الْحَدِيْثِ وَ يَقْبَلُهُ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ وَ اسْتَعْمَلَهُ عَامَّةُ الْفُقَهَاءِ.

ترجمہ

دوسری قسم حسن ہے۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: حدیثِ حسن وہ حدیث ہے جس کا مخرج معروف ہو اور اس کے رجال مشہور ہوں اور اس پر اکثر احادیث کا مدار ہے، اور اکثر علماء اسے قبول کرتے ہیں اور عام فقہاء اس پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح

حدیثِ حسن

شروع میں بیان کیا گیا تھا کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف۔ صحیح کا بیان گزر چکا، اب مصنفؒ یہاں سے حدیثِ حسن کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔

''حسن'' صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، لغت میں اس کے معنیٰ حسن و جمال، اور

خوبصورتی کے آتے ہیں، اس کی اصطلاحی تعریف مصنفؒ نے امام خطابیؒ کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

حدیثِ حسن کی اصطلاحی تعریف

"هو ما عرف مخرجه واشتهر رجاله وعليه مدار أكثر الحديث ويقبله أكثر العلماء واستعمله عامة الفقهاء."

قوله: ما عرف مخرجه.

ترجمہ

حدیثِ حسن وہ حدیث ہے جس کا مخرج معلوم ہو، یعنی جس راوی سے وہ حدیث منقول ہے، وہ قابلِ اطمینان ہو، قابلِ اعتبار ہو اور اس سے اس حدیث کا منقول ہونا معروف اور ظاہر ہو۔

قوله: واشتهر رجاله.

اور اس کی سند کے رجال یعنی راوی مشہور و معروف ہوں۔

تعریف صرف اتنی ہے، آگے جو تین باتیں مذکور ہیں، وہ اس کی تکمیل کے لئے ہیں۔

قوله: وعليه مدار أكثر الحديث.

حدیثِ حسن ایسی حدیث ہے جس پر اکثر احادیث کا دارومدار ہے، یعنی اکثر احادیث جو قابلِ عمل ہیں، وہ حسن ہی ہیں، کیونکہ صحیح احادیث کی شرائط بہت سخت ہیں، جس کی وجہ سے صحیح احادیث بہت کم ہیں، اور حدیثِ حسن کی شرائط چونکہ اس قدر سخت نہیں ہیں اس لئے احادیثِ حسان بہت زیادہ ہیں، اس لئے اکثر احادیث کا دارومدار حدیثِ حسن پر ہے۔

قوله: و يقبله أكثر العلماء.

اور اکثر علماء بھی اسے قبول کرتے ہیں، کیونکہ استدلال میں یہ بھی صحیح کی طرح ہے، گو درجے میں اس سے کم ہے۔

قوله: واستعمله عامة الفقهاء.

اور تیسری بات یہ فرمائی کہ عام فقہاء بھی اس پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس پر عمل کرنا آسان ہے بہ نسبت صحیح کے۔

آخری یہ تین باتیں تکمیلِ تعریف کے لیے تھیں۔

لیکن علامہ خطابیؒ کی اس تعریف پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

پہلا اشکال

پہلا اشکال یہ ہے کہ یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، کیونکہ اس تعریف میں حدیثِ صحیح بھی آجاتی ہے، اس لیے کہ حدیثِ صحیح کا مخرج بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کے رجال بھی مشہور ہوتے ہیں۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ صحیح خاص ہے اور حدیثِ حسن عام ہے اور خاص کا عام کے اندر آجانا کوئی مضر نہیں، جیسے انسان عام ہے اور زید خاص ہے، لہٰذا زید انسان کے اندر داخل ہے، ایسے ہی صحیح حدیث بھی حسن میں داخل ہے۔

دوسرا اشکال

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس تعریف میں حدیثِ ضعیف بھی داخل ہے، کیونکہ اس میں بھی یہ دونوں باتیں (عرف مخرجه واشتهر رجاله) پائی جاتی ہیں، لہٰذا یہ تعریف درست نہیں ہے۔

جواب

علامہ خطابیؒ نے آگے جو تین قیدیں لگائی ہیں "علیه مدار أكثر الحديث الخ" ان قیود سے حدیثِ ضعیف خارج ہو جاتی ہے۔ یہ تعریف امام خطابیؒ نے کی ہے۔

حافظؒ کے نزدیک حدیثِ حسن کی تعریف

ان کے علاوہ حضراتِ محدّثین نے حدیثِ حسن کی چار تعریفیں اور بیان کی ہیں، لیکن سب سے بہترین تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے "شرح نخبة الفكر" میں بیان کی ہے کہ:

هو ما اتصل سنده بعدل قل ضبطه عن مثله الى منتهاه
من غير شذوذ ولا علّة

ترجمہ

یعنی جسکی سند عادل، قلیل الضبط راوی کے ساتھ شروع سے اخیر تک
متصل ہو اور وہ شاذ اور معلول نہ ہو۔

یہ تعریف حسن کی تمام اقسام کو شامل ہے اور اس کے ساتھ حسن صحیح اور ضعیف سے ممتاز ہو جاتی ہے۔

بہرحال حدیثِ حسن وہ ہے جس میں پانچ باتیں پائی جائیں، جس میں ایک صفت صحیح سے کم درجے کی ہے، باقی چاروں صفات وہ ہیں جو صحیح میں ہیں اور وہ حسن میں بھی ہیں۔

(۱)....تمام راوی عادل ہوں۔

(۲)....راوی تامّ الضبط کے بجائے خفیف الضبط ہوں، یہ ایک فرق آ گیا۔

(۳)....سند متصل ہو۔

(۴)....وہ روایت شاذ نہ ہو۔

(۵)....وہ روایت معلول نہ ہو یعنی اس میں کوئی علتِ خفیہ نہ ہو۔

اس تعریف کی بناء پر حدیثِ صحیح اور حدیثِ حسن میں مابہ الفرق ایک چیز ہے کہ صحیح حدیث میں راوی تامّ الضبط ہوتے ہیں اور حدیثِ حسن میں خفیف الضبط ہوتے ہیں۔

یہ تعریف سب سے زیادہ جامع مانع ہے، اور علامہ خطابیؒ نے اپنی تعریف میں صرف دو باتیں ذکر کیں کہ سند متصل ہو اور راوی مشہور ہوں اور باقی تین باتیں چونکہ حسن کی تعریف میں مشہور و معروف تھیں اس لیے انہوں نے وہ ترک کر دیں، اس لئے ان کی تعریف بھی درست ہے۔

متن

قَالَ الشَّيْخُ: هُوَ قِسْمَانِ: أَحَدُهُمَا: مَا لَايَخْلُوْ إِسْنَادُهُ مِنْ مَسْتُوْرٍ لَمْ تَتَحَقَّقْ أَهْلِيَّتُهُ، وَ لَيْسَ مُغَفَّلاً كَثِيْرَ الْخَطَاءِ وَ لَا ظَهَرَ مِنْهُ سَبَبٌ مُفَسِّقٌ، وَ يَكُوْنُ مَتْنُ الْحَدِيْثِ مَعْرُوْفًا بِرِوَايَةِ مِثْلِهِ أَوْ نَحْوِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ. اَلثَّانِيْ: أَنْ يَكُوْنَ رَاوِيْهِ مَشْهُوْرًا بِالصِّدْقِ وَ الْأَمَانَةِ وَ لَمْ يَبْلُغْ دَرَجَةَ الصَّحِيْحِ لِقُصُوْرٍ فِيْ الْحِفْظِ وَ الْإِتْقَانِ وَ هُوَ مُرْتَفِعٌ عَنْ حَالِ مَنْ يُعَدُّ تَفَرُّدُهُ

مُنکَرًا.

ترجمہ

شیخ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ حسن کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک وہ ہے جس کی سند ایسے مستور الحال راوی سے خالی نہ ہو جس کی اہلیت متحقق نہ ہو اور وہ مغفّل، کثیر الخطاء نہ ہو، اور نہ ہی اس سے کوئی موجبِ فسق سبب ظاہر ہوا ہو اور حدیث کا متن اس جیسی دوسری روایت کے ساتھ مشہور و معروف ہو۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کا راوی صدق وامانت میں مشہور ہو، اور وہ راوی حفظ و اتقان میں کمی کے باعث صحیح کے درجے کو نہ پہنچا ہو، لیکن اسکے باوجود اسکا درجہ اس راوی سے اُونچا ہو جسکے تفرُّد کو منکر شمار کیا جاتا ہے۔

تشریح

حدیث حسن کی دو قسمیں

قوله: قال الشيخ: هو قسمان الخ.

مصنفؒ نے فرمایا کہ حسن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم

پہلی قسم کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کی سند ایسے مستور الحال راوی سے خالی نہ ہو جس کی اہلیت ثابت نہ ہو اور وہ اپنی روایات میں مغفّل اور بہت زیادہ غلطی کرنے والا نہ ہو اور اس کا کوئی ایسا سبب بھی ظاہر نہ ہو جو اسے فاسق قرار دے اور

حدیث کا متن اس جیسی دوسری روایت کے ساتھ مشہور و معروف ہو، اور اگر معروف نہ ہو تو کم از کم اس کے معنیٰ دوسری سند سے ثابت ہوں۔ اسی طرح کی تعریف امام ترمذیؒ نے کی ہے۔

دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ اس کے راوی سچائی اور امانت میں مشہور ہوں، لیکن اس کے روای صحیح کے راویوں کے درجہ کو نہ پہنچے ہوں، کیونکہ اس کے راوی صحیح کے راویوں سے کم ہیں حفظ واتقان میں، لیکن اس کے باوجود اس کے راوی ان لوگوں سے بڑھکر ہوں کہ اگر وہ تنہا کسی حدیث کو روایت کریں تو ان کی روایت منکر ہوگی۔

یہ تعریف علامہ خطابیؒ کی تعریف کے قریب قریب ہے، الفاظ کا فرق ہے، مفہوم تقریبا ایک ہے، کیونکہ اس تعریف میں شاذ اور معلل کو چھوڑ دیا، باقی تین قیود کو لے لیا کہ سند متصل ہو، تمام راوی عادل ہوں، البتہ خفیف الضبط ہوں اور امام خطابیؒ نے بھی تین کو چھوڑ کر دو کا ذکر کیا ہے۔

متن

ثُمَّ الْحَسَنُ كَالصَّحِيحِ فِي الْاِحْتِجَاجِ بِهٖ وَ اِنْ كَانَ دُوْنَهٗ فِي الْقُوَّةِ وَ لِهٰذَا اَدْرَجَتْهُ طَائِفَةٌ فِي نَوْعِ الصَّحِيحِ.

ترجمہ

پھر حدیثِ حسن استدلال کرنے میں حدیثِ صحیح کی طرح ہے، گو قوت میں اس سے کم درجے کی ہے، اسی وجہ سے ایک جماعت نے

اسے صحیح کی قسم میں شامل کیا ہے۔

تشریح

حدیثِ حسن کا حکم

قولہ: ثم الحسن کالصحیح الخ.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ حسن کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ یہ قابلِ استدلال ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ یہ بھی حدیثِ صحیح کی طرح قابلِ استدلال ہے، جیسے صحیح حدیث حجت ہے ایسے ہی حدیثِ حسن بھی حجت ہے، لیکن حدیثِ صحیح سے قوّت میں کم درجے کی ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں تامّ الضبط راوی ہوتے ہیں اور اس میں خفیف الضبط راوی ہوتے ہیں۔

اور چونکہ حسن استدلال کرنے میں صحیح حدیث کے برابر ہے، اس لئے بعض حضراتِ محدّثین مثلاً امام حاکمؒ، علامّہ ابن حبانؒ اور علامّہ ابن خزیمہؒ نے اس کو حدیثِ صحیح میں داخل کیا ہے۔

متن

وَ قَوْلُهُمْ: حَدِيْثٌ حَسَنُ الْإِسْنَادِ أَوْ صَحِيْحُهُ دُوْنَ قَوْلِهِمْ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ أَوْ حَسَنٌ لِأَنَّهُ قَدْ يَصِحُّ أَوْ يَحْسُنُ الْإِسْنَادُ دُوْنَ الْمَتْنِ لِشُذُوْذٍ أَوْ عِلَّةٍ،فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى ذٰلِكَ حَافِظٌ مُعْتَمَدٌ فَالظَّاهِرُ صِحَّةُ الْمَتْنِ وَ حُسْنُهُ.

ترجمہ

کسی حدیث کے بارے میں محدثین کا قول "حديث حسن الإسناد أو حديث صحيح الإسناد" کا درجہ ان کے قول "حديث صحيح أو حسن" سے کم ہے، کیونکہ بسا اوقات حدیث کی سند صحیح یا حسن ہوتی ہے، لیکن متن میں شذوذ یا کسی علت کے پائے جانے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی حافظ معتمد نے اس پر اکتفا کیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا متن بھی صحیح اور حسن ہوگا۔

تشریح

"هذا حديث حسن الاسناد" اور "هذا حسن" میں فرق

قوله: وقولهم: حديث حسن الاسناد الخ

یہاں سے مصنفؒ ایک مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر حضرات محدثین ایک حدیث کے بارے میں "هذا حديث حسن الاسناد" یا "هذا حديث صحيح الإسناد" کہیں اور دوسری حدیث کے بارے میں "هذا حديث صحيح" یا "هذا حديث حسن" کہیں تو ان دونوں حدیثوں کا درجہ برابر ہے یا ان میں فرق ہے؟

فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے، کیونکہ جب کسی حدیث کے بارے میں "هذا حديث صحيح الإسناد" یا "هذا حديث حسن الإسناد" کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں حدیثِ صحیح کے تین وصف پائے جا رہے ہیں، دو نہیں پائے جا رہے، یعنی اس حدیث کے راوی عادل ہیں، سند متصل ہے، اگر

حدیث صحیح ہے تو راوی تامّ الضبط ہیں اور اگر حدیث حسن ہے تو خفیف الضبط ہیں، باقی متن شذوذ اور علّت سے محفوظ ہے یا نہیں؟ اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

اور جس حدیث کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "هذا حديث صحيح" یا "هذاحديث حسن" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پانچوں اوصاف پائے جارہے ہیں اور اس کی سند اور متن دونوں درست ہیں، لہٰذا "هذاحديث صحيح أو حسن" کا درجہ بلند ہے اور "هذاحديث صحيح الإسناد أو حسن الإسناد" کا درجہ کم ہے۔

قوله: فان اقتصرعلى ذلک حافظ الخ

البتہ اگر کوئی حافظ معتمد "هذاحديث صحيح الإسناد" یا "هذاحديث حسن الإسناد" کہے تو پھر وہاں ہم یہ سمجھیں گے کہ اس کا متن بھی صحیح ہے اور شذوذ و علّت سے بھی محفوظ ہے، لیکن اگر کوئی اور انسان کہے گا تو سمجھا جائے گا کہ سنداً تو صحیح ہے، متناً صحیح ہونے کی ضمانت نہیں، بخلاف "هذا حديث صحيح أو حسن" کے کہ وہ جس طرح سنداً صحیح ہے اسی طرح متناً بھی صحیح ہے۔

متن

وَ أَمَّا قَوْلُ التِّرْمِذِيِّ وَغَيْرِهِ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ فَمَعْنَاهُ رُوِيَ بِإِسْنَادَيْنِ أَحَدُهُمَا يَقْتَضِي الصِّحَّةَ وَ الْآخَرُ الْحُسْنَ وَ أَمَّا تَقْسِيْمُ الْبَغْوِيِّ أَحَادِيْثَ الْمَصَابِيْحِ إِلَى حِسَانٍ وَ صِحَاحٍ مُرِيْدًا بِالصِّحَاحِ

مَا فِیْ الصَّحِیْحَیْنِ وَ بِالْحِسَانِ مَا فِیْ السُّنَنِ فَلَیْسَ بِصَوَابٍ لِأَنَّ فِیْ السُّنَنِ الصَّحِیْحَ وَ الْحَسَنَ وَ الضَّعِیْفَ وَ الْمُنْکَرَ.

ترجمہ

اور بہرحال امام ترمذیؒ اور دوسرے حضرات کے قول ''حدیث حسن صحیح'' کا معنٰی یہ ہے کہ یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے جن میں سے ایک اس کی صحت اور دوسری سند اس کے حسن کا تقاضا کرتی ہے۔اور بہرحال امام بغویؒ کا مصابیح کی احادیث کو حسن اور صحیح کی طرف تقسیم کرتے ہوئے یہ مراد لینا کہ صحیح سے مراد وہ احادیث ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اور حسن سے مراد وہ احادیث ہیں جو سننِ اربعہ میں موجود ہیں، ان کی یہ مراد درست نہیں، کیونکہ سننِ اربعہ میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر ہر طرح کی احادیث موجود ہیں۔

تشریح

''و أما قول الترمذی'' ایک اعتراض کا جواب

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض

اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ حدیثِ حسن کا درجہ صحیح حدیث سے

کم ہوتا ہے، حالانکہ بسا اوقات یہ دونوں ایک ہی جگہ جمع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ ترمذی شریف میں جگہ جگہ ایک ہی حدیث کے بارے میں "هذا حديث حسن صحيح" فرمادیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر حدیثِ حسن کا درجہ حدیثِ صحیح سے کم ہوتا تو دونوں کو ایک جگہ جمع نہ فرماتے۔

اعتراض کے چار جوابات

اس اعتراض کے چار جوابات ہیں:

پہلا جواب

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جس کے بارے میں "حسن صحیح" کہا جارہا ہے، یہ دو مختلف سندوں سے مروی ہے، ایک سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے حسن ہے، فلا اشكال فيه۔

دوسرا جواب

حافظ ابن الصلاحؒ نے فرمایا کہ یہاں "حسن" لغوی معنیٰ میں ہے، یعنی یہ حدیث بہت اچھی ہے اور "صحیح" اصطلاحی معنیٰ میں ہے، فلا اشكال فيه۔

تیسرا جواب

شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجرؒ نے یہ جواب دیا کہ "حسن صحیح" سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک قوم کے نزدیک "حسن" ہے اور دوسری قوم کے نزدیک "صحیح" ہے۔

چوتھا جواب

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف عطف "أو" محذوف ہے، یعنی "هذا حديث حسن أو صحيح" جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کو اس حدیث کے

بارے میں شک اور تردد ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، لہٰذا اس میں بھی اشکال کی کوئی بات نہیں۔

وأما تقسيم البغوى الخ۔۔۔ایک اعتراض کا جواب

قوله: وأما تقسيم البغوى الخ

اب یہاں ایک اور اشکال ہے۔

اشکال

اشکال یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں امام بغویؒ کی جو احادیث ہیں، ان کے بارے میں امام بغویؒ نے یہ تقسیم فرمائی ہے کہ بعض کو حسن قرار دیا اور بعض کو صحیح قرار دیا، اور انہوں نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ صحیح سے مراد وہ احادیث ہیں جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں مذکور ہیں اور حسن سے مراد وہ احادیث ہیں جو سننِ اربعہ، ابوداؤد، ترمذی شریف، نسائی شریف اور ابنِ ماجہ میں مذکور ہیں۔

ان کے بارے میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ طریقہ درست نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سننِ اربعہ میں ہر قسم کی احادیث جمع ہیں، سب حسن نہیں ہیں، اس میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں اور منکر بھی ہیں، لہٰذا امام بغویؒ کا یہ کہنا کہ صحیح سے مراد وہ احادیث ہیں جو بخاری اور مسلم شریف میں مذکور ہیں اور حسن سے مراد وہ احادیث ہیں جو سننِ اربعہ میں مذکور ہیں، درست نہیں۔

جواب

اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے، جو آسانی کے

لئے انہوں نے مقرر کی ہے تا کہ ہر ہر حدیث کے بعد ان کو صحیح، حسن یا ضعیف کہنے کی ضرورت نہ پڑے، اور ''لامناقشة في الاصطلاح'' اصطلاحات میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا، ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہوتی ہے، مثلاً اگر علمِ صرف والے علمِ نحو والوں سے ان کی اصطلاحات میں لڑنا شروع کردیں اور علمِ نحو والے علمِ فقہ والوں سے لڑنا شروع کردیں کہ آپ نے یہ اصطلاح کیوں مقرر فرمائی، تو پھر لڑائی پکّی ہے، مگر یہ درست نہیں، کیونکہ جب ہر ایک نے اپنی اپنی اصطلاح مقرر کی ہوئی ہے تو اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے؟

متن

فُرُوْعٌ: أَحَدُهَا: كِتَابُ التِّرْمِذِيِّ أَصْلٌ فِيْ مَعْرِفَةِ الْحَسَنِ وَ هُوَ الَّذِيْ شَهَرَهُ وَ تَخْتَلِفُ النُّسَخُ مِنْهُ فِيْ قَوْلِهٖ: حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَ نَحْوِهٖ، فَيَنْبَغِيْ أَنْ تَعْتَنِيَ بِمُقَابَلَةِ أَصْلِكَ بِأُصُوْلٍ مُعْتَمَدَةٍ وَ تَعْتَمِدُ مَا اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ، وَ مِنْ مَظَانِّهٖ سُنَنُ أَبِيْ دَاوُدَ فَقَدْ جَاءَ عَنْهُ أَنَّهٗ يَذْكُرُ فِيْهِ الصَّحِيْحَ وَ مَا يُشْبِهُهٗ وَ يُقَارِبُهٗ وَ مَا كَانَ فِيْهِ وَهْنٌ شَدِيْدٌ بَيَّنَهٗ. وَ لَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ شَيْئًا فَهُوَ صَالِحٌ، فَعَلٰى هٰذَا مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِهٖ مُطْلَقًا وَ لَمْ يُصَحِّحْهُ غَيْرُهٗ مِنَ الْمُعْتَمِدِيْنَ وَ لَا ضَعَّفَهٗ فَهُوَ حَسَنٌ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ.

ترجمہ

فروعات: پہلی فرع یہ ہے کہ حدیثِ حسن کے پہچاننے میں کتاب ترمذی شریف اصل ہے اور امام ترمذیؒ ہی نے حدیثِ حسن کو مشہور کیا ہے، اور ترمذی شریف کے نسخے ان کے قول "حسن صحیح" کے اعتبار سے مختلف ہیں، پس مناسب ہے کہ آپ اپنی اصل کا اصولِ معتمدہ کے ساتھ تقابل کرنے کا اہتمام کریں اور اس نسخے پر اعتماد کریں جو اصولِ معتمدہ کے ساتھ موافق ہو۔ اور حدیثِ حسن کے پائے جانے والی جگہوں میں سے "سنن أبو داود" بھی ہے اور ان کی طرف سے یہ خبر آئی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں حدیثِ صحیح کو اور جو اس کے مشابہ اور قریب ہو، اس کو ذکر کرتے ہیں اور جس حدیث میں شدید ضعف ہو تو وہ اس ضعف کو بیان کرتے ہیں اور جس حدیث کے بارے میں وہ کچھ بھی ذکر نہ کریں تو وہ صالح (للاستدلال) ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بناء پر جو حدیث مطلقاً ہمیں سننِ أبو داود میں مل جائے اور ان کے علاوہ معتمدین میں سے کسی نے نہ اس کی تصحیح کی ہو اور نہ تضعیف کی ہو تو وہ امام ابوداودؒ کے نزدیک حسن ہوگی۔

تشریح

چند فروعات

پہلی فرع: حسن احادیث کہاں ملیں گی؟

قوله: كتاب الترمذي أصل في معرفة الحسن الخ.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ حسن کے ذیلی اور ضمنی مسائل بیان فرمارہے ہیں، ان مسائل میں سب سے پہلے مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح محدثینؒ نے ''صحیح مجرّد'' میں مستقل کتابیں لکھی ہیں اس طرح ''حسن مجرّد'' میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی، یعنی کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جس میں صرف حسن احادیث ہوں جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں صرف صحیح احادیث ہیں، البتہ ترمذی شریف ایک ایسی کتاب ہے جس میں بکثرت احادیثِ حسان بیان کی گئی ہیں، بلکہ امام ترمذیؒ ہی وہ پہلے محدّث ہیں جنہوں نے حدیثِ حسن کو مشہور فرمایا اور اکثر احادیث پر حسن کا حکم لگایا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص احادیثِ حسان حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ترمذی شریف کا وہ نسخہ لے لے جو قابلِ اعتماد ہو، کیونکہ ترمذی شریف کے اندر بھی مختلف نسخے ہیں، بعض میں ایک حدیث کو صحیح یا حسن کہا گیا ہے تو دوسرے نسخے میں اس سے مختلف ہے، اس لیے اس میں استفادہ کرنے میں دشواری پیش آئے گی، لہٰذا علامہ ابن الصلاحؒ مشورہ دے رہے ہیں کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ ایسا نسخہ لے جو اصل کے مطابق ہو اور قابلِ اعتماد اصولوں سے اس کا تقابل کیا گیا ہو تو پھر اس کے لیے احادیثِ حسان کا حاصل کرنا آسان ہوگا۔

بہرحال ایک کتاب ترمذی شریف ایسی ہے جس میں احادیثِ حسان بکثرت پائی جاتی ہیں۔

قوله: ومن مظانه سنن أبي داود الخ.

دوسری کتاب جس میں احادیثِ حسان موجود ہیں، وہ سنن ابو داؤد ہے، اور اس میں بھی احادیثِ حسان بکثرت پائی جاتی ہیں، لیکن ترمذی شریف کے مقابلے

میں کم ہیں۔

اور سنن ابو داؤد میں حدیثِ حسن کے کثرت سے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی کتاب کے اندر صحیح احادیث کو ذکر کریں گے اور جو صحیح کے مشابہ یا اس کے قریب ہوگی اسے بھی ذکر کریں گے اور جس حدیث کے اندر شدید ضعف ہوگا اس کو بیان کردیں گے اور جس حدیث کے بارے میں کچھ بھی ذکر نہ کریں وہ بھی صالح اور قابلِ استدلال ہوگی۔

لہٰذا ابوداؤد شریف میں جو حدیث مطلق آئے گی، یعنی اس کے بارے میں صراحت نہ ہو کہ صحیح ہے، یا حسن ہے یا ضعیف ہے اور نہ ہی دوسرے حضرات محدثین نے اس کی تصحیح یا تضعیف کی ہو تو امام ابوداؤدؒ کے نزدیک ایسی حدیث حسن ہوگی، لہٰذا حسن حدیثیں ابوداؤد شریف میں بھی موجود ہیں۔

اعتراض

مصنفؒ کی عبارت ''وما لم یذکر فیه شیئًا فھو صالح'' پر اعتراض ہوتا ہے کہ علامہ ابن رشیدؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام ابوداؤدؒ خاموشی کے ساتھ ذکر کردیں اور اس کے بارے میں کچھ بھی ذکر نہ کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے، اور علامہ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حدیث نہ حسن ہوتی ہے اور نہ حسن کی تعریف میں داخل ہوتی ہے، اور ان کے علاوہ دیگر حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف بھی ہوسکتی ہے۔

اب اگر وہ حدیث ضعیف ہو تو صالح کیسے ہوگی؟ لہٰذا ''وما لم یذکر فیه شیئًا فھو صالح'' کہنا درست نہیں ہے۔

جواب

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حدیث جس کے بارے میں امام ابوداودؒ کچھ بھی ذکر نہ کریں، وہ تین حال سے خالی نہیں:

(۱)....یا وہ صحیح ہوگی، پھر اشکال کی کوئی بات نہیں، کیونکہ صحیح حدیث صالح اور قابلِ استدلال ہوتی ہے۔

(۲)....یا وہ حسن ہوگی، تب بھی کوئی اشکال نہیں ہوسکتا، کیونکہ حسن بھی صحیح کی طرح صالح اور قابلِ استدلال ہوتی ہے، گو صحیح سے اس کا درجہ کم ہے۔

(۳)....یا ضعیف ہوگی پھر وہ صالح للاستدلال نہیں، بلکہ صالح للاعتبار فی الفضائل ہوگی، کیونکہ حدیثِ ضعیف کا فضائل میں اعتبار کرلیا جاتا ہے، فلا اشکال فیہ۔

متن

وَ أَمَّا مُسْنَدُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَ أَبِيْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ وَ غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَسَانِيْدِ فَلَا تَلْتَحِقُ بِالْأُصُوْلِ الْخَمْسَةِ وَ مَا أَشْبَهَهَا فِي الْاِحْتِجَاجِ بِهَا وَ الرُّكُوْنِ إِلٰى مَا فِيْهَا.

ترجمہ

”بہرحال مسانید میں سے مسند احمد بن حنبلؒ اور مسند ابوداؤد الطیالسیؒ اور ان جیسی دوسری کتابیں، اصولِ خمسہ کے ساتھ

استدلال اوران میں جو احادیث ہیں ان کی طرف میلان کرنے میں برابر نہیں ہوسکتیں۔"

تشریح

مسانید کا درجہ

قولہ: و أما مسند أحمدبن حنبل.

مصنفؒ اس فرع میں ایک مسئلہ اور بیان فرمارہے ہیں کہ مسند احمدبن حنبل اور مسند أبو داؤد الطیالسی، یہ دونوں کتابیں مسند ہیں اور مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب کے مطابق احادیث جمع کی گئی ہوں۔

مصنفؒ یہاں ان مسانید کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ مسند احمد بن حنبل اور مسند أبو داؤد الطیالسی اوران کے علاوہ جو مسانید ہیں، وہ اصولِ خمسہ کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتیں، اور استدلال کرنے میں ان کے برابر نہیں ہوسکتیں اور نہ ہی اصولِ خمسہ کی طرف میلان کرنے میں برابر ہوسکتی ہیں، بلکہ ان کا درجہ ان سے کم ہے اور اصولِ خمسہ کا درجہ ان سے بڑھ کر ہے۔

متن

اَلثَّانِیْ: إِذَا کَانَ رَاوِیُ الْحَدِیْثِ مُتَأَخِّرًا عَنْ دَرَجَةِ الْحَافِظِ الضَّابِطِ مَشْهُوْرًا بِالصِّدْقِ وَ السَّتْرِ فَرُوِیَ حَدِیْثُهٗ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ، قَوِیَ وَارْتَفَعَ مِنَ الْحَسَنِ إِلَی الصَّحِیْحِ.

ترجمہ

دوسری فرع: جب حدیث کا راوی حافظ اور ضابط کے درجے سے کم تر ہو، اس حال میں کہ وہ صدق وستر کے ساتھ مشہور ہو اور اس کی حدیث کو کئی طرق سے روایت کیا گیا ہو تو وہ حدیث قوی ہو جائے گی اور درجۂ حسن سے درجۂ صحیح تک پہنچ جائے گی۔

تشریح

حدیثِ حسن کی دوسری فرع

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ حسن کے ضمنی مسائل میں سے دوسری فرع بیان فرما رہے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کا راوی حفظ واتقان میں کم درجے کا ہو، لیکن صدق وامانت میں مشہور ومعروف ہو، یعنی اس کا حافظہ کمزور ہو، لیکن عادل ہو اور پھر اگر وہ حدیث مختلف سندوں سے بھی مروی ہو تو ایسی صورت میں اس کا ضعف ختم ہو جائے گا اور وہ حسن سے اوپر ہو کر صحیح کے درجے میں آجائے گی اور صحیح لغیرہٖ بن جائے گی۔

اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے، مثلاً یہ حدیث:

"مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ أَبِيْ سَلْمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ."(۱)

اس حدیث میں راوی محمد بن عمرو صدق وامانت میں مشہور ہیں، لیکن

(۱) صحیح مسلم ج ا ص ۲۲۰، حدیث نمبر ۲۵۲، باب السواک،
ابوداود شریف ج ا ص ۱۲، حدیث نمبر ۴۶، باب السواک۔

حافظہ کے اعتبار سے کمزور ہیں، یہاں تک کہ بعض محدثین نے ان کے سوءِ حفظ کی وجہ سے انہیں ضعیف تک کہا ہے اور بعض نے صدق وامانت کی وجہ سے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، اس لحاظ سے ان کی حدیث حسن ہے۔

لیکن چونکہ یہ حدیث دیگر سندوں سے بھی مروی ہے، اس وجہ سے یہ حسن سے نکل کر صحیح کے درجے میں آجائے گی اور صحیح لغیرہ بن جائے گی۔

متن

اَلثَّالِثُ: إِذَا رُوِیَ الْحَدِیْثُ مِنْ وُجُوْہٍ ضَعِیْفَۃٍ لَایَلْزَمُ أَنْ یَحْصُلَ مِنْ مَجْمُوْعِھَا حَسَنٌ بَلْ مَا کَانَ ضَعْفُہٗ لِضَعْفِ حِفْظِ رَاوِیْہِ الصَّدُوْقِ الْاَمِیْنِ زَالَ بِمَجِیْئِہٖ مِنْ وَجْہٍ آخَرَ وَ صَارَ حَسَنًا. وَ کَذَا إِذَا کَانَ ضَعْفُھَا لِإِرْسَالٍ زَالَ بِمَجِیْئِہٖ مِنْ وَجْہٍ آخَرَ. وَ أَمَّا الضَّعْفُ لِفِسْقِ الرَّاوِیْ فَلَایُؤَثِّرُ فِیْہِ مُوَافَقَۃُ غَیْرِہٖ.

ترجمہ

تیسری فرع: جب کوئی حدیث مختلف سندوں کے ساتھ روایت کی جائے تو اس کے مجموعے سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ حدیث کا ضعف اگر ایسے راوی کے حافظے کے ضعف کی وجہ سے ہو جو کہ صادق اور امین ہے اور دوسرے طرق کے آنے کی

وجہ سے اسکا ضعف بھی ختم ہو گیا ہو تو وہ حدیث حسن (لغیرہ) بن جائے گی۔ اسی طریقے سے اگر حدیث کا ضعف ارسال کی وجہ سے پیدا ہوا ہے تو دوسرے طرق کے آنے کی وجہ سے اس کا ضعف بھی ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ضعف راوی کے فاسق ہونے کی وجہ سے ہو تو غیر کی موافقت اس میں اثر انداز نہ ہو گی۔''

تشریح

حدیثِ حسن کی تیسری فرع

حدیثِ حسن کے سلسلے میں تیسری فرع کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف ہے اور اس کی دیگر سندیں بھی سب کی سب ضعیف ہیں تو ان سب کے مجموعے سے وہ حدیث حسن کا درجہ حاصل کرے گی یا نہیں؟۔

اس میں تفصیل ہے، اور اس کی تین صورتیں ہیں چنانچہ دیکھا جائے گا اس حدیث کا ضعف کس وجہ سے ہے؟

پہلی صورت

اگر اس حدیث کا ضعف راوی کے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ہو اور راوی خود صدق وامانت میں مشہور ہو تو ایسی صورت میں وہ حدیث دیگر طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف سے نکل کر حسن کے درجے میں چلی جائے گی اور اس کا ضعف ختم ہو جائے گا۔

دوسری صورت

اسی طرح اگر اس حدیث کا ضعف راوی کے ارسال کرنے کی وجہ سے ہو تو وہ

بھی دیگر طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف سے نکل کر حسن کے درجے میں چلی جائے گی اور حسن لغیرہ بن جائے گی۔

تیسری صورت

اگر اس حدیث کا ضعف راوی کے فسق کی وجہ سے ہو تو دیگر طرق سے مروی ہونے کے باوجود اس کے ضعف کا ازالہ نہ ہوگا اور وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّالِثُ: اَلضَّعِيْفُ: وَ هُوَ مَا لَمْ يَجْمَعْ صِفَةَ الصَّحِيْحِ أَوْ الْحَسَنِ وَ يَتَفَاوَتُ ضَعْفُهُ كَصِحَّةِ الصَّحِيْحِ وَ مِنْهُ مَا لَهُ لَقَبٌ خَاصٌّ: كَالْمَوْضُوْعِ وَ الشَّاذِ وَ غَيْرِهِمَا.

ترجمہ

تیسری قسم حدیثِ ضعیف ہے: حدیثِ ضعیف وہ حدیث ہے جو صحیح یا حسن میں سے کسی کی صفات کی جامع نہ ہو، اور حدیثِ صحیح کی صحت کی طرح حدیثِ ضعیف کا ضعف بھی متفاوت ہوتا ہے، اور حدیثِ ضعیف میں سے بعض کے کچھ مخصوص القاب ہیں جیسے موضوع، شاذ وغیرہ۔

تشریح

النوع الثالث: الضعيف

قوله: الضعيف وهو ما لم يجمع صفة الصحيح الخ.

حدیث کی تین قسموں کا بیان چل رہا ہے، صحیح، حسن اور ضعیف۔
صحیح اور حسن کا بیان مکمل ہوا، یہاں سے مصنفؒ حدیثِ ضعیف کو بیان فرما رہے ہیں۔
ضعیف کے لغوی معنیٰ کمزوری کے آتے ہیں اور اصطلاح میں ضعیف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں میں حدیثِ صحیح یا حسن کی صفات نہ پائی جائیں۔
چونکہ یہ تینوں قسمیں صفاتِ قبول کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ وجۂ حصر میں گزرا کہ صفاتِ قبول یا تو اعلیٰ درجے کی ہوں گی یا کم درجے کی یا بالکل نہیں ہوں گی، اگر اعلیٰ درجے کی ہوں تو حدیث صحیح، اگر کم درجے کی ہوں تو حدیث حسن اور اگر بالکل نہیں ہوں تو حدیث ضعیف ہوگی۔
اسی لیے تعریف میں یہاں پر فرمایا کہ حدیثِ ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح یا حسن کی صفات نہ پائی جائیں۔

فائدہ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ تعریف علامہ ابن الصلاحؒ نے فرمائی ہے، اگر اس تعریف میں وہ یوں فرماتے کہ "حدیثِ ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حسن کی صفات نہ پائی جائیں" تو یہ تعریف زیادہ بہتر ہوتی، کیونکہ جب صفاتِ حسن نہیں پائی جائیں گی تو صفاتِ صحیح بدرجۂ اولیٰ نہ ہوں گی، کیونکہ صفاتِ حسن کم درجے کی ہیں اور صفاتِ صحیح اعلیٰ درجے کی، لہٰذا جب ادنیٰ درجہ کے اوصاف نہیں ہوں گے تو اعلیٰ درجہ کے اوصاف بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوں گے۔

حدیثِ ضعیف کے پانچ درجات

قولہ : ویتفاوت ضعفه کصحة الصحیح.

جس طرح صحت کے اعتبار سے حدیثِ صحیح کے سات درجات ہیں اسی طرح سے ضعف کے اعتبار سے حدیثِ ضعیف کے بھی مختلف درجات ہیں اور ان درجات کے اعتبار سے اس کی پانچ قسمیں مشہور ہیں:

(۱)....ضعیف

(۲)....ضعیف جدًا

(۳)....حدیثِ واہی

(۴)....حدیثِ منکر

(۵)....حدیثِ موضوع

پھر جس طرح حدیثِ صحیح میں أصحّ الاسانید ہیں، اسی طرح حدیثِ ضعیف میں بھی اوھی الاسانید ہوتی ہیں، پھر جس طرح اصحّ الاسانید کو سلسلة الذھب کہتے ہیں، اسی طرح اوھی الاسانید کو سلسلة الکذب کہتے ہیں، اوھی الاسانید کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے ایک مثال وہ ہے جو حاکم شہیدؒ نے دی ہے کہ:

”صدقة الدقیقی عن فرقد السبخی عن مرة الطیب عن أبی بکر رضی الله عنه“

اس سند میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ بقیہ تمام راوی نہایت ہی ضعیف ہیں، لہٰذا یہ سند اوھی الاسانید ہوگی۔

اوھی الاسانید کی دوسری مثال: عمرو بن شمر عن جابر الجعفی عن الحارث الاعور عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، اہلِ بیت سندوں میں یہ اوھی الاسانید ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا تمام راوی نہایت درجہ کے ضعیف ہیں۔

اوھی الاسانید کی تیسری مثال: عن الحارث بن شبل عن ام النعمان عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا. یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسانید میں سب سے زیادہ ضعیف سند ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے سوا تمام روای نہایت درجہ کمزور ہیں۔

اس کے بعد مصنفؒ نے فرمایا کہ حدیثِ ضعیف میں بعض کے خاص نام بھی ہیں، جیسے موضوع، شاذ، مقلوب، معلل، مضطرب، مرسل منقطع، منکر وغیرہ۔

حدیثِ ضعیف کی مثال

امام ترمذیؒ نے حکیم الاثرم کے طریق سے روایت کی ہے:

"عن أبی تمیمة الھجیمی عن أبی ھریرةؓ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم من أتی حائضا أو امرأة فی دبرھا أو کاھنا فقد کفر بما أنزل علی محمد صلی اللہ علیه وسلم.

امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لانعرف ھذا الحدیث إلا من حدیث حکیم الأثرم عن أبی تمیمة الھجیمی"

پھر فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف

کہا ہے اور یہ ضعف حکیم اثرم کی وجہ سے ہے۔

حدیثِ ضعیف کو روایت کرنے کا حکم

اس کو روایت کرنے کا حکم یہ ہے کہ راوی حدیث کا ضعف بیان کرے یا نہ کرے، اس کو روایت کرنا جائز ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

(۱)....وہ حدیث عقیدے سے متعلق نہ ہو۔

(۲)....وہ حدیث احکامِ شرعیہ سے متعلق نہ ہو۔

ان دو شرطوں کے ساتھ روایت کرنا جائز ہے۔

حدیث ِضعیف پر عمل کرنے کا حکم

حدیث ِضعیف پر عمل کرنا جائز ہے، لیکن تین شرائط کے ساتھ:

(۱)....اس کا ضعف شدید نہ ہو۔

(۲)....وہ اصولِ معتمدہ کے موافق ہو۔

(۳)....اس پر عمل کرنے سے احتیاط مقصود ہو، کسی چیز کو ثابت کرنا مقصود نہ ہو۔

متن

اَلنَّوْعُ الرَّابِعُ: اَلْمُسْنَدُ: قَالَ الْخَطِيْبُ الْبَغْدَادِيُّ: هُوَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ مَا اتَّصَلَ سَنَدُهُ إِلٰى مُنْتَهَاهُ وَ أَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِيمَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُوْنَ غَيْرِهِ، وَ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: هُوَ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً،

مُتَّصِلاً كَانَ أَوْ مُنْقَطِعًا. وَ قَالَ الْحَاكِمُ وَ غَيْرُهُ:
لَايُسْتَعْمَلُ إِلَّا فِيْ الْمَرْفُوْعِ الْمُتَّصِلِ.

ترجمہ

چوتھی قسم: مسند ہے، خطیب بغدادیؒ نے کہا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک مسند وہ حدیث ہے جس کی سند اپنے منتہیٰ تک متصل ہو اور اکثر مسند حدیث کا اطلاق اس حدیث پر ہوتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سے مروی نہ ہو۔ اور ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ مسند وہ حدیث ہے جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، خواہ متصل ہو یا منقطع۔ اور امام حاکم وغیرہ کہتے ہیں کہ مسند کا اطلاق صرف مرفوع متصل پر ہوتا ہے۔

تشریح

حدیثِ مسند کی تین تعریفات

قولہ: النوع الرابع المسند.

حدیث کی ماقبل کی تین قسمیں صفاتِ قبول کے اعتبار سے تھیں، اب یہاں سے مصنفؒ مطلق انواعِ علومِ حدیث کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں بیان فرمائیں گے، حدیث کی چوتھی قسم مسند ہے۔

حدیثِ مسند

مسند اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں: جس کو منسوب کیا گیا ہو، یا اس

کے لغوی معنیٰ ہیں۔

مسند کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ اس میں حضرات محدثین کا اختلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن الصلاحؒ نے یہاں تین محدثینؒ کی تعریفات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی تعریف

پہلی تعریف خطیب بغدادیؒ کی ہے جو انہوں نے ''کفایہ'' میں بیان فرمائی ہے کہ علماءِ اصولِ حدیث کے نزدیک ''مسند وہ حدیث ہے جس کی سند اپنے منتہیٰ تک متصل ہو پھر خواہ اس کی انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو یا صحابیؓ تک ہو، یا کسی تابعیؒ تک ہو۔''

ایسی صورت میں یہ تعریف مرفوع، موقوف، اور مقطوع تینوں کو شامل ہوگی، کیونکہ سند اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو تو مرفوع، اگر صحابیؓ تک ہو تو موقوف اور اگر تابعیؒ تک ہو تو مقطوع ہوتی ہے۔

اور چونکہ یہاں ''ما اتصل'' مطلق ہے اور اس سے ظاہری اتصال مراد ہے ایسی صورت میں اس میں مدلس کا عنعنہ اور اس معاصر کا عنعنہ بھی داخل ہو جائے گا کہ جس کی اپنے مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہ ہو، کیونکہ اصحاب المسانید ایسی روایات کو اپنی مسانید میں ذکر کر دیتے ہیں۔

بہر حال خطیب بغدادیؒ کی ذکر کردہ تعریف میں عموم ہے کہ اس میں مرفوع، موقوف، مقطوع، مدلس اور معاصر کا عنعنہ یہ سب مسند میں داخل ہیں۔

قوله: و أكثر ما يستعمل فيما جاء عن النبي ﷺ الخ

خطیب بغدادیؒ کے نزدیک ''مسند'' میں عموم تھا اور اس میں مرفوع،

موقوف، مقطوع، مدلس اور معاصر کا عنعنہ یہ سب داخل تھے، لیکن مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ اکثر "مسند" کا اطلاق اور استعمال اس حدیث پر ہوتا ہے جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سے مروی نہ ہو، یعنی اس کا اطلاق صرف حدیثِ مرفوع پر ہوتا ہے۔

دوسری تعریف

دوسری تعریف علامہ ابن عبدالبرؒ نے کی ہے کہ:

"هو ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم خاصة متصلا كان أو منقطعا"

ترجمہ

حدیثِ مسند وہ حدیث ہے جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو، خواہ وہ متصل ہو یا منقطع۔

اس تعریف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسند اور مرفوع دونوں برابر ہیں، کیونکہ مرفوع بھی اس حدیث کو کہتے ہیں جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔

لیکن اس تعریف پر حافظ ابن حجرؒ نے اشکال کیا ہے کہ اگر ہم مسند اور مرفوع دونوں کو برابر تسلیم کریں تو حدیث مرسل، معضل اور منقطع، جبکہ مرفوع ہوں، وہ بھی "مسند" بن جائیں گی، حالانکہ کوئی بھی انہیں "مسند" نہیں کہتا۔

تیسری تعریف

تیسری تعریف حاکم شہیدؒ اور دوسرے محدثینؒ نے کی ہے کہ:

"لایستعمل إلا فی المرفوع المتصل"

یعنی مسند، حدیثِ مرفوع متصل کو کہتے ہیں۔

اس تعریف سے موقوف، مقطوع، مرسل، معضل اور مدلس سب نکل جائیں گی، موقوف اور مقطوع تو مرفوع کی قید سے نکل جائیں گی اور مرسل، معضل اور مدلس، متصل کی قید سے نکل جائیں گی، کیونکہ یہ متصل نہیں ہوتیں۔

متن

اَلنَّوْعُ الْخَامِسُ: اَلْمُتَّصِلُ: وَ يُسَمَّى الْمَوْصُوْلَ، وَ هُوَ مَا اتَّصَلَ إِسْنَادُهٗ مَرْفُوْعًا كَانَ أَوْ مَوْقُوْفًا عَلٰى مَنْ كَانَ.

ترجمہ

پانچویں قسم: حدیثِ متصل ہے اور اسے موصول بھی کہا جاتا ہے یہ وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو خواہ مرفوع ہو یا کسی پر موقوف ہو۔

تشریح

پانچویں قسم حدیثِ متّصل

قولہ: النوع الخامس: المتصل

پانچویں قسم حدیثِ متصل ہے اور اس کا دوسرا نام موصول ہے، اس کی تعریف یہ ہے "ھو ما اتصل إسنادہ مرفوعًا کان أو موقوفًا علٰی من کان" کہ حدیثِ متصل وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو یعنی درمیان سے کوئی راوی گرا ہوا

نہ ہو، چاہے مرفوع ہو یا موقوف ہو، اور "موقوفا علی من کان" کا مطلب یہ ہے کہ جس پر وہ موقوف ہو، اس قید سے اس میں صحابیؓ کے علاوہ تابعیؒ بھی آ گئے۔

دوسرے حضرات محدّثین نے "علی من کان" کی قید نہیں لگائی ہے، انہوں نے صرف حدیثِ مرفوع اور موقوف کو لیا ہے اور جو حدیث کسی تابعی پر موقوف ہو، اسے نہیں لیا، لیکن مصنفؒ نے "علی من کان" کی قید لگا کر متصل کو عام کر دیا کہ خواہ صحابیؓ پر موقوف ہو یا تابعیؒ پر، بہر صورت متصل ہو گی۔

حدیثِ مرفوع متصل کی مثال جیسے: عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا، اور حدیثِ متصل موقوف کی مثال جیسے: مالك عن نافع عن ابن عمر عن عمرؓ قال كذا اور حدیثِ مقطوع کی مثال جیسے: هذا حديث متصل الى سعيد بن المسيبؒ أو الى الزهري أو الى مالك، وغیرہ۔

متن

اَلنَّوْعُ السَّادِسُ: اَلْمَرْفُوْعُ: وَ هُوَ مَا أُضِيْفَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً لَايَقَعُ مُطْلَقُهُ عَلٰى غَيْرِهٖ مُتَّصِلاً كَانَ أَوْ مُنْقَطِعًا. وَ قِيْلَ: هُوَ مَا أَخْبَرَ بِهِ الصَّحَابِيُّ عَنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَوْ قَوْلِهٖ.

ترجمہ

چھٹی قسم: مرفوع ہے، اور مرفوع وہ حدیث ہے جس کی نسبت خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو، خواہ متصل ہو یا منقطع، اور حدیثِ مرفوع کا اطلاق اس حدیث پر نہیں ہوتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کی طرف منسوب ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرفوع وہ حدیث ہے جس میں صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل یا قول (یا تقریر) کی خبر دی ہو۔"

تشریح

چھٹی قسم حدیثِ مرفوع

قوله: النوع السادس: المرفوع

چھٹی قسم حدیثِ مرفوع ہے اور حدیثِ مرفوع کی دو تعریفیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی تعریف

"هو ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم خاصة لايقع مطلقه على غيره، متصلا كان أو منقطعا."

حدیثِ مرفوع وہ حدیث ہے جو خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، خواہ سند متصل ہو یا منقطع کہ جس میں خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہو، لہٰذا جس حدیث کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مثلاً کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کی طرف ہو تو اس کو حدیثِ مرفوع نہیں کہا جائے گا۔

دوسری تعریف

بعض حضرات نے اس کی دوسری تعریف کی ہے کہ حدیثِ مرفوع وہ حدیث ہے جس میں صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کو بیان کرے۔

اس تعریف کی بناء پر حدیثِ مرسل نکل جائے گی، کیونکہ اس میں صحابیؓ کا واسطہ حذف ہوتا ہے، حالانکہ مرسل پر بھی حدیثِ مرفوع کا اطلاق ہوتا ہے، اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس تعریف کو "قیل" کے ذریعے بیان فرما کر اسکے ضعف کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ السَّابِعُ: اَلْمَوْقُوْفُ: وَ هُوَ الْمَرْوِیُّ عَنِ الصَّحَابَةِ قَوْلًا لَهُمْ أَوْ فِعْلًا أَوْ نَحْوَهُ مُتَّصِلًا كَانَ أَوْ مُنْقَطِعًا وَ يُسْتَعْمَلُ فِیْ غَيْرِهِمْ مُقَيَّدًا، فَيُقَالُ: وَقَفَهُ فُلَانٌ عَلَى الزُّهْرِیِّ وَ نَحْوِهٖ. وَ عِنْدَ فُقَهَاءِ خُرَاسَانَ تَسْمِيَةُ الْمَوْقُوْفِ بِالْأَثَرِ وَ الْمَرْفُوْعِ بِالْخَبَرِ وَ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ كُلُّ هٰذَا يُسَمّٰى أَثَرًا.

ترجمہ

ساتویں قسم: حدیثِ موقوف ہے، اور حدیثِ موقوف وہ حدیث ہے جو مروی ہو صحابہؓ کرام سے انکے قول، فعل یا اسکے مثل (تقریر) کے ساتھ، خواہ وہ متصل ہو یا منقطع اور موقوف کا استعمال غیر صحابہ میں

قید کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ حدیث زہری
پر موقوف کی ہے، وغیرہ۔ اور فقہاءِ خراسان کے نزدیک حدیثِ
موقوف کو "اثر" اور حدیثِ مرفوع کو خبر کا نام دیا جاتا ہے اور محدثین
کے نزدیک سب کو "اثر" کہا جاتا ہے۔"

تشریح

ساتویں قسم حدیثِ موقوف

قولہ: الموقوف وھو المروی عن الصحابة الخ

ساتویں قسم حدیثِ موقوف ہے، موقوف اسم مفعول کا صیغہ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: رُکی ہوئی۔ حدیثِ موقوف کو بھی موقوف اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں راوی سلسلۂ سند کو صحابیؓ تک روک دیتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

حدیثِ موقوف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"ھو المروی عن الصحابة قولا لھم او فعلا أو نحوہ متصلا کان أو منقطعا".

حدیثِ موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جو صحابیؓ سے ان کے قول، فعل یا تقریر کے ساتھ مروی ہو، متصل ہو یا منقطع، دونوں صورتوں میں اس حدیث کو موقوف کہتے ہیں۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ صحابیؓ پر اس کا اطلاق مطلقاً کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر صحابیؓ کے علاوہ پر اس کا اطلاق کرنا ہو تو پھر تقیید کے ساتھ کیا جائے گا، کیونکہ صحابہ تو بلاشبہ

علی الاطلاق عادل ہیں، جبکہ غیر صحابہ علی الاطلاق عادل نہیں، لہٰذا قید ضروری ہوگی۔

پھر اس کی مثال خود ہی بیان فرمائی کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے "وقفه فلان علی الزهری" اس میں وقف کا لفظ آیا ہے، لیکن زہری کی قید کے ساتھ مقید ہے، کیونکہ زہری تابعی ہیں اور تابعی کیساتھ جب لفظِ وقف آئے گا تو قید کیساتھ استعمال ہوگا۔

خبر اور اثر میں فرق

قوله: وعند فقهاء خراسان الخ.

یہاں سے مصنفؒ بطور فائدہ ایک بحث ذکر فرما رہے ہیں کہ فقہاءِ خراسان کے نزدیک حدیثِ موقوف کو "اثر" اور حدیثِ مرفوع کو "خبر" کہتے ہیں، یعنی وہ حضرات دونوں میں فرق کرتے ہیں، "لفظِ اثر" حدیثِ موقوف کے ساتھ خاص ہے اور "لفظِ خبر" حدیثِ مرفوع کے ساتھ خاص ہے۔

لیکن عام محدثینؒ ان میں فرق نہیں کرتے، بلکہ سب کو "اثر" کہتے ہیں، خواہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف ہو یا مقطوع۔ اسی لیے امام طحاویؒ کی کتاب "شرح معانی الآثار" مطلق ہے، حالانکہ اس میں حدیثِ مرفوع، حدیثِ موقوف اور حدیثِ مقطوع سب ہیں، لیکن ان کا نام "شرح معانی الآثار" ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ "اثر" کا معنٰی ہے جو مروی ہو، اور حدیث خواہ مرفوع ہو، موقوف ہو یا مقطوع، سب کی سب مروی ہوتی ہیں، لہٰذا ان سب کا نام "اثر" رکھنا درست ہوگا۔

متن

فُرُوْعٌ: أَحَدُهَا: قَوْلُ الصَّحَابِيِّ كُنَّا نَقُوْلُ أَوْ نَفْعَلُ كَذَا إِنْ لَّمْ يُضِفْهُ إِلَى زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ

مَوْقُوْفٌ وَ إِنْ أَضَافَهُ فَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ مَرْفُوْعٌ. وَ قَالَ الْإِمَامُ الْإِسْمَاعِيْلِي: مَوْقُوْفٌ، وَ الصَّوَابُ هُوَ الْأَوَّلُ.

ترجمہ

فروعات: پہلی فرع یہ ہے کہ کسی صحابیؓ کا قول "کنا نقول أو نفعل کذا" اگر وہ اپنے اس قول یا فعل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف منسوب نہ کرے تو یہ حدیث موقوف ہوگی اور اگر منسوب کرے تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ حدیث مرفوع ہوگی، اور امام اسماعیلی کے نزدیک پھر بھی موقوف ہوگی، لیکن پہلا قول درست ہے۔

تشریح

تین فروع

قولہ: فروع.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ موقوف کے متعلق تین فروع بیان فرما رہے ہیں، علامہ ابن الصلاحؒ نے ان فروعات کو اپنے مقدمے میں "نوعِ ثامن" کے بعد ذکر فرمایا ہے، لیکن مصنفؒ نے انہیں نوعِ سابع: الموقوف کے بعد ذکر فرمایا ہے، اور یہی مناسب ہے، کیونکہ ان تینوں فروعات کا تعلق حدیثِ موقوف سے ہے۔

اور ان فروعات میں مصنفؒ نے اس بات پر خبردار کیا ہے کہ بسا اوقات حدیث لفظ کے اعتبار سے موقوف ہوتی ہے، لیکن حکم کے اعتبار سے مرفوع ہوتی ہے۔

پہلی فرع کنا نقول أو نفعل کذا کا حکم

قولہ: أحدها قول الصحابیؓ الخ

پہلی فرع کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی صحابیؓ "کنانقول او نفعل کذا" کے الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث بیان کرے تو اس میں دو صورتیں ہوں گی، یا وہ صحابی اس میں اپنی اس بات کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف کرینگے یا نہیں۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت نہ کریں بغیر نسبت کیے "کنا نقول أو نفعل کذا" کہیں تو بلاشبہ وہ حدیث موقوف ہوگی، کیونکہ صحابیؓ کا قول و فعل حدیثِ موقوف ہوتا ہے، اور اگر وہ صحابی اپنے اس قول یا فعل کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف کر دیں تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حدیث موقوف رہے گی یا مرفوع ہو جائے گی؟

صحیح قول یہ ہے کہ وہ حدیث مرفوع ہوگی، لیکن بعض حضرات جیسے امام ابوبکر اسماعیلیؒ جن کی وفات ۲۳۱ ہجری میں ہوئی، فرماتے ہیں کہ اگر چہ صحابیؓ اپنے قول و فعل کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف کریں پھر بھی وہ حدیث موقوف رہے گی، لیکن مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ بات درست نہیں، پہلا مسلک درست اور راجح ہے۔

متن

وَكَذَا قَوْلُهُ: كُنَّا لَانَرَى بَأْسًا بِكَذَا فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ وَ هُوَ فِيْنَا أَوْ بَيْنَ أَظْهُرِنَا أَوْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ أَوْ يَفْعَلُوْنَ أَوْ لَايَرَوْنَ بَأْسًا بِكَذَا فِيْ حَيَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكُلُّهُ مَرْفُوْعٌ، وَ مِنَ الْمَرْفُوْعِ قَوْلُ الْمُغِيْرَةِ كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَعُوْنَ بَابَهُ بِالْأَظَافِيْرِ.

ترجمہ

’’اسی طرح صحابہؓ کرام کا قول کہ’’ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے، ہم اس کام میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، یا صحابی کا قول کہ صحابہؓ یوں کہتے تھے، یا یوں کرتے تھے، یا صحابہؓ اس کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے‘‘ یہ سب مرفوع کے حکم میں ہیں۔ اور حدیثِ مرفوع میں حضرت مغیرہؓ کا یہ قول بھی ہے کہ صحابہؓ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔‘‘

تشریح

صحابیؓ کے قول وفعل کی حضورﷺ کے زمانہ کی طرف نسبت کرنے کا حکم

صحابیؓ کے قول وفعل کی نسبت اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگا، اس کی چند مثالیں پیش کیں کہ اگر کوئی صحابیؓ یوں کہے کہ ’’كنا لانرى بأسا في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم‘‘الخ تو یہ سب مرفوع کے حکم میں ہوں گے، کیونکہ ان سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

قوله: ومن المرفوع قول المغيرة الخ

حدیثِ مرفوع میں حضرت مغیرہؓ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے ناخنوں

کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ بجایا کرتے تھے، یعنی کنڈی نہیں بجاتے تھے یا زور زور سے ہاتھ نہیں مارتے تھے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہوں تو تکلیف نہ ہو اور اگر آرام نہ فرمارہے ہوں تو باہر تشریف لے آئیں۔

یہ بھی حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت موجود ہے۔

اور ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت موجود ہے اور بہت سی مثالیں ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت نہیں ہے، مثلاً صحابیؓ کا قول ہے:

"کنا نعزل علی عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والقرآن ینزل"(۱)

یہ صحابیؓ کا قول ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت صراحۃً ہے، لہٰذا لفظاً تو موقوف ہوگا لیکن حکماً مرفوع ہوگا۔

اسی طرح اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے:

"کانت الید لاتقطع فی الشیء التافی"(۲)

"تافی" کہتے ہیں گری پڑی بے قیمت چیز کو، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت نہیں ہے، لہٰذا یہ لفظاً اور حکماً دونوں طرح موقوف ہوگا۔

اسی طرح حضرت جابرؓ کا قول ہے:

(۱) بخاری شریف ج۵ ص۱۹۹۸، حدیث نمبر ۴۹۱۱، باب العزل، نیز مسلم شریف ج۲ ص ۱۰۶۵، حدیث نمبر ۱۴۴۰، باب العزل۔

(۲) مصنّف ابن ابی شیبه ج۵ ص۴۷۷ و مسند ابی عوانه ج۴ ص ۱۴۴۔

"كنا إذا صعدنا كبرنا وإذا نزلنا سبحنا"(۱)
یہ بھی موقوف ہوگا، کیونکہ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر صحابی اپنے قول یا فعل کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف کرے تو وہ مرفوع ہوگا اور اگر نہیں کرے تو وہ موقوف ہی رہے گا۔

فائدہ

بہر حال حضرت مغیرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بارے میں امام حاکمؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مرفوع کے حکم میں ہے، دوسرا یہ کہ یہ مرفوع کے حکم میں نہیں، علامہ ابن الصلاحؒ نے امام حاکمؒ کے دونوں اقوال میں تطبیق دی کہ جہاں انہوں نے کہا کہ مرفوع نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظاً مرفوع نہیں، بلکہ لفظاً موقوف ہے اور جہاں انہوں نے کہا کہ یہ مرفوع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حکماً اور معنیً مرفوع ہے۔

متن

اَلثَّانِيْ: قَوْلُ الصَّحَابِيِّ أُمِرْنَا بِكَذَا، أَوْ نُهِيْنَا عَنْ كَذَا، أَوْ مِنَ السُّنَّةِ كَذَا، أَوْ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ، وَ مَا أَشْبَهَهُ، كُلُّهُ مَرْفُوْعٌ عَلَى الصَّحِيْحِ الَّذِيْ قَالَهُ الْجُمْهُوْرُ. وَ قِيْلَ: لَيْسَ بِمَرْفُوْعٍ. وَلَا فَرْقَ بَيْنَ قَوْلِهِ

(۱) بخاری شریف ج۳ ص ۱۰۹۱، باب التسبیح اذا هبط واديا.

فِیْ حَیَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَوْ بَعْدَہٗ.

ترجمہ

دوسری فرع: کسی صحابی کا قول ''ہمیں اس کام کا حکم دیا گیا ہے، یا ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے، یا سنت میں سے یہ بھی ہے، یا بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں شفع کریں اور وہ جو ان کے مشابہ الفاظ ہیں، یہ سب کے سب مرفوع کے حکم میں ہیں، اس صحیح قول کے مطابق جس کے جمہور قائل ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ مرفوع کے حکم میں نہیں ہیں اور صحابہؓ کے قول ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد'' ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

تشریح

دوسری فرع، أمرنا بکذا کا حکم

قولہ: قول الصحابی أمرنا بکذا الخ.

صحابیؓ کا ''أمرنا بکذا، نھینا عن کذا، من السنۃ کذا'' کہنا یہ مرفوع کے حکم میں ہے، اسی طرح ''أمر بلالٌ أن یشفع الأذان. (۱)

اور اس کے مشابہ جتنے بھی الفاظ ہیں، وہ سب جمہور کے نزدیک مرفوع کے حکم میں ہیں اور صحابیؓ خواہ ''فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے یا ''بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہے، اس میں کوئی فرق نہیں، یہ سب مرفوع کے حکم میں ہے۔

(۱) مسلم شریف ج ۱ ص ۱۶۴، باب الأمر بشفع الأذان وإیتار الإقامۃ.

ایک اعتراض کا جواب

قولہ: وقیل: لیس بمرفوع

"قیل" کے قائل شیخ امام ابوبکر اسماعیلیؒ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ مرفوع کے حکم میں نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امر اور نہی کے مذکورہ الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت صراحۃً نہیں ہے، بلکہ یہ مجہول کے صیغے ہیں اور ان میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کوئی اور مراد ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ آمر و ناهی قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے، اجماع بھی ہوسکتا ہے، قیاس و استنباط بھی ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح "من السنة کذا" میں سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی سنت بھی مراد ہوسکتی ہے، جیسے حضرات خلفاءِ راشدین کی سنت وغیرہ۔

لہٰذا ان تمام احتمالات کی بناء پر یہ جملے حدیثِ مرفوع کے حکم میں نہیں ہوسکتے، بلکہ حدیثِ موقوف ہی رہیں گے۔

جمہور کا جواب

جمہورؒ نے شیخ امام ابوبکر اسماعیلیؒ کے موقف کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب مطلق " آمر و ناهی "کا ذکر ہوتو اس سے من له الأمر اور من له النهي مراد ہوتا ہے، اور من له الأمر و النهي آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور چونکہ یہاں پر مطلقاً امر و نہی مذکور ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی آمر و ناهی مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر قرآن آمر و ناهی ہوتا تو یہ بات مشہور ہوتی، اور اس کی پوری طرح وضاحت ہوتی، لیکن جب اس کی کوئی تشہیر و وضاحت نہیں تو قرآن کریم

کو آمر و ناھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح اجماع بھی آمر و ناھی نہیں بن سکتا، کیونکہ اجماع کی بنیاد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امرو نھی ہوگا، جیسے تراویح کے مسئلے میں اجماع صحابہؓ سے بیس رکعات تراویح ثابت ہیں، اس کی بنیاد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے، لہٰذا اجماع بھی آمر و ناھی نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح قیاس بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی بنیاد بھی امرِ شرعی یا نہیِ شرعی ہوتا ہے، اسی طرح جب مطلقاً سنّت بولیں تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہی مراد ہوگی نہ کسی اور کی۔

لہٰذا جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب یہ کلمات کسی صحابیؓ کے ارشاد میں پائے جائیں گے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوں گے اور ان سے حضور کا امرو نہی مراد ہوگا، اور یہی مسلک درست ہے۔

أمرنا بكذا کی مثال

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

"أمرنا أن نخرج في العيدين العواتق وذوات الخدور وأمر الحيض أن يعتزلن مصلى المسلمين"(۱)

"نهينا عن كذا" کی مثال

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

"نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا"(۲)

(۱) بخاري شريف ج ۱ ص ۱۳۲، باب خروج النساء والحيض إلى المصلى.

(۲) بخاري شريف ج ۱ ص ۱۷۰، باب اتباع النساء الجنائز.

من "السنة کذا" کی مثال

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

"من السنة وضع الكف على الكف فی الصلاة تحت السرة"(۱)

امر بلال ان يشفع الاذان و يوتر الاقامة ، یہ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

متن

اَلثَّالِثُ: إِذَا قِيلَ فِي الْحَدِيثِ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّحَابِيِّ يَرْفَعُهُ أَوْ يَنْمِيهِ أَوْ يَبْلُغُ بِهِ أَوْ رِوَايَةً كَحَدِيثِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً "تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا صِغَارَ الْأَعْيُنِ" فَكُلُّ هٰذَا وَ شِبْهُهُ مَرْفُوْعٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وَ إِذَا قِيلَ عِنْدَ التَّابِعِيِّ يَرْفَعُهُ فَمَرْفُوْعٌ مُرْسَلٌ، وَ أَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: تَفْسِيرُ الصَّحَابِيِّ مَرْفُوْعٌ فَذَاكَ فِي تَفْسِيرٍ يَتَعَلَّقُ بِسَبَبِ نُزُوْلِ آيَةٍ أَوْ نَحْوِهٖ وَ غَيْرُهُ مَوْقُوْفٌ.

(۳) أبو داؤد شريف، ج ۱ ص ۲۰۱، باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة.

ترجمہ

تیسری فرع: جب کسی حدیث میں صحابی کے ذکر کے وقت "یرفعه، ینمیه، یبلغ به" یا "روایة" کہا جائے جیسے حدیثِ "أعرج عن أبی ھریرۃؓ" "تم ایسی قوم سے لڑو گے جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی" یہ سب اور جو اس کے مشابہ ہے، اہلِ علم کے نزدیک مرفوع ہے۔ اور جب تابعیؒ کے ذکر کے وقت "یرفعه" کہا جائے تو یہ مرفوع مرسل ہوگی اور بہرحال اس شخص کا قول جس نے کہا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع کے حکم میں ہے، یہ قول اس تفسیر کے بارے میں ہے جو آیت کے سببِ نزول وغیرہ سے متعلق ہو اور اس کے علاوہ صحابی کی تفسیرات موقوف کے حکم میں ہیں۔

تشریح

تیسری فرع، یرفعه اور ینمیه وغیرہ کا حکم

قوله: إذا قیل فی الحدیث عند ذکر الصحابیؓ الخ

یہاں سے مصنفؒ تیسری فرع بیان فرما رہے ہیں کہ جب کسی حدیث میں صحابی کے ذکر کے وقت "یرفعه، ینمیه، یبلغ به" یا "روایة" کہا جائے، یعنی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اگر یہ الفاظ یا ان کے مشابہ الفاظ کہے جائیں تو یہ سب کے سب مرفوع کے حکم میں ہوں گے۔

یرفعه کی مثال بخاری شریف میں ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

الشفاء فی ثلاثة : شربة عسل و شرطة محجم و كية فار

رفع الحدیث

ینمیه کی مثال مؤطا امام مالکؒ میں حضرت ابوحازمؒ حضرت سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

كان الناس یؤمرون ان یضع الرجل یده الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰة ، قال ابو حازم : لا اعلم الا انه ینمی ذلک.

یبلغ به کی مثال بخاری و مسلم میں حدیث أعرج ہے : عن ابی هریرة یبلغ به : الناس تبع القریش.

اور روایة کی مثال کتاب میں مذکور ہے، چنانچہ مصنفؒ نے اس کی مثال دیتے ہوئے ''حدیثِ أعرج'' ذکر فرمائی جس میں ''روایة'' کا لفظ مذکور ہے کہ:

''عن أبی هریرة روایة تقاتلون قوما صغار الأعین''(۱)

ترجمہ

تم ایسی قوم سے لڑوگے جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی اور چہرے چپٹے ہوں گے، قیامت سے پہلے پہلے تمہاری ان سے لڑائی ہوگی۔

اس حدیث میں ''روایة'' کا ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث مرفوع ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ یہ تمام الفاظ کے لحاظ سے موقوف ہیں، لیکن مذکورہ بالا الفاظ کے پائے جانے کی وجہ سے حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہیں۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۴۷۵.

قوله: وإذا قيل عند التابعيؒ يرفعه الخ

اور اگر تابعی کے ذکر کے وقت یہ الفاظ آجائیں تو اس صورت میں وہ مرفوع تو ہوگی، لیکن مرفوع مرسل ہوگی، کیونکہ اس میں صحابی کا واسطہ حذف ہے اور جس حدیث میں صحابی کا واسطہ حذف ہو وہ مرسل کہلاتی ہے۔

تفسیر الصحابی کا حکم

قوله: وأما قول من قال: تفسير الصحابي مرفوع الخ

جن علماءِ اصولِ حدیث نے یہ فرمایا کہ تفسیرِ صحابی مرفوع ہوتی ہے تو ان کے اس قول میں تفصیل ہے کہ صحابی کی وہ تفسیر شانِ نزول سے متعلق ہوگی یا اس کے علاوہ سے متعلق ہوگی، اگر شانِ نزول سے متعلق ہو تو بلاشبہ وہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ کوئی صحابی اپنی طرف سے شانِ نزول بیان نہیں کرسکتا، ضرور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔

اور اگر وہ تفسیر شانِ نزول کے علاوہ سے متعلق ہو یا لغت کی تشریح ہو تو پھر وہ مرفوع نہیں، بلکہ موقوف ہوگی۔

شانِ نزول کی مثال

شانِ نزول کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے پیچھے کی جانب سے آگے کے حصے میں ہمبستری کرے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوگا، اس لئے یہود ایسا کرنے سے منع کرتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی:

"نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ"(۱)

---

(۱) آیت ۲۲۳، پارہ ۲، سورہ بقرہ۔

کہ کہیں سے بھی آؤ، لیکن موضعِ حرث میں ہو تو اس سے بچہ بھینگا پیدا نہیں ہوگا اور یہودیوں کی یہ بات بالکل من گھڑت ہے، اور بے اصل ہے۔

بہرحال مذکورہ آیت یہ شانِ نزول حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، لہٰذا یہ مرفوع کے حکم میں ہے، یہی حکم تابعی کا بھی ہے، البتہ اس کی روایت مرفوع مرسل ہوگی، کیونکہ صحابی کا واسطہ حذف ہے۔

لغت کی تشریح کی مثال

قرآن کریم کی آیت "لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ" کے بارے میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہنمیوں کو جہنم کے سامنے لے جایا جائے گا اور جہنم کی لپٹ ان کو اس طرح جھلسا دے گی کہ ان کے چہروں پر گوشت کا ذرّہ برابر بھی نام و نشان باقی نہیں رہے گا، صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گی، العیاذ باللّٰہ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہ لغوی تشریح بیان فرمائی ہے، لہٰذا یہ حدیث موقوف ہوگی، کیونکہ اس میں شانِ نزول کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح صحابی کا قول اگر امورِ آخرت کے متعلق ہو یا خلافِ قیاس ہو تو وہ بھی حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوگا، کیونکہ یہ باتیں بھی وہ اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے، ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّامِنُ: اَلْمَقْطُوْعُ: وَ جَمْعُهُ الْمَقَاطِعُ وَ الْمَقَاطِيْعُ وَ هُوَ الْمَوْقُوْفُ عَلَى التَّابِعِيِّ قَوْلاً لَهُ أَوْ فِعْلاً وَ اسْتَعْمَلَهُ الشَّافِعِيُّ ثُمَّ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْمُنْقَطِعِ.

ترجمہ

آٹھویں قسم: وہ مقطوع ہے اور اسکی جمع "مقاطع" اور "مقاطیع" آتی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جو کسی تابعی پر موقوف ہو، خواہ اس کا قول ہو یا فعل ہو، اور امام شافعیؒ اور امام طبرانیؒ مقطوع کا اطلاق منقطع پر بھی کرتے ہیں۔

تشریح

آٹھویں قسم، حدیثِ مقطوع

قوله: النوع الثامن المقطوع.

لغوی تشریح

حدیث کی آٹھویں قسم مقطوع ہے، مقطوع اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں: کٹا ہوا، اسکی جمع مقاطع اور مقاطیع آتی ہے جیسے مساجد اور مصابیح ہے، اور اسکو مقطوع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سند کو تابعی تک ذکر کیا جاتا ہے اور صحابی کا ذِکر حذف کر دیا جاتا ہے، یعنی تابعی سے آگے سند کاٹ دی جاتی ہے۔

اصطلاحی تعریف

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ حدیثِ مقطوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں سند تابعی پر جا کر ختم ہو جائے اور آگے کسی صحابی کا ذکر نہ ہو، اور اس میں تابعی کے قول یا فعل کا ذکر ہو۔

بہر حال اگر سند تابعی تک منتہی ہو تو مقطوع، اگر صحابی تک منتہی ہو تو موقوف اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہو تو مرفوع ہوگی۔

قوله: واستعمله الشافعي.

امام شافعیؒ اور امام طبرانیؒ نے مقطوع کے لئے منقطع کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، حالانکہ حدیثِ منقطع اصطلاح میں دوسری چیز ہے کہ جس کے اندر مطلقًا کہیں سے بھی کوئی راوی ساقط ہو تو اسے حدیثِ منقطع کہتے ہیں، پھر اگر کسی صحابی کا واسطہ حذف ہو تو اسے مرسل کہتے ہیں اور اگر تابعی کا واسطہ حذف ہو تو اسے مقطوع کہتے ہیں، یعنی منقطع عام ہے اور مقطوع خاص ہے، لیکن امام شافعیؒ اور امام طبرانیؒ مقطوع کو منقطع بھی کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کا مذکورہ ارشاد حدیثِ منقطع کی اصطلاحی تعریف مقرر ہونے سے پہلے کا ہے نہ کہ بعد کا۔

موقوف اور مقطوع احادیث کی مثالیں مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، تفسیر ابنِ جریر اور تفسیر ابنِ ابی حاتم وغیرہ میں ہیں۔

متن

اَلنَّوْعُ التَّاسِعُ: اَلْمُرْسَلُ، اِتَّفَقَ عُلَمَاءُ الطَّوَائِفِ عَلٰى أَنَّ قَوْلَ التَّابِعِيِّ الْكَبِيْرِ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَا أَوْ فَعَلَهُ، يُسَمّٰى مُرْسَلًا فَإِنِ انْقَطَعَ قَبْلَ التَّابِعِيِّ وَاحِدٌ اَوْ أَكْثَرُ قَالَ الْحَاكِمُ وَ غَيْرُهُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ: لَا يُسَمّٰى مُرْسَلًا بَلْ يَخْتَصُّ

الْمُرْسَلُ بِالتَّابِعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ سَقَطَ قَبْلَهُ وَاحِدٌ فَهُوَ مُنْقَطِعٌ وَ إِنْ كَانَ أَكْثَرَ فَمُعْضَلٌ وَ مُنْقَطِعٌ. وَالْمَشْهُوْرُ فِي الْفِقْهِ وَ الْأُصُوْلِ أَنَّ الْكُلَّ مُرْسَلٌ وَ بِهٖ قَطَعَ الْخَطِيْبُ وَ هٰذَا اِخْتِلَافٌ فِي الْعِبَارَةِ وَ الْاِصْطِلَاحِ.

ترجمہ

نویں قسم: حدیثِ مرسل: مختلف مذاہب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تابعی کبیر کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا یا یہ کیا ہے، یہ حدیث مرسل ہوگی۔ پس اگر تابعی سے پہلے ایک یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں تو امام حاکمؒ اور دوسرے محدّثینؒ فرماتے ہیں اس کو حدیثِ مرسل نہیں کہا جائے گا، بلکہ مرسل صرف تابعی کی مذکورہ روایت کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اگر تابعی سے پہلے سند میں سے ایک راوی ساقط ہو تو وہ حدیث منقطع ہے اور اگر زیادہ راوی ساقط ہوں تو وہ حدیث معضل اور منقطع کہلائے گی۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں مشہور یہ ہے کہ یہ سب مرسل ہیں اور یہی خطیب بغدادیؒ نے فیصلہ کیا ہے، اور یہ عبارت اور اصطلاح کا اختلاف ہے۔

تشریح

نویں قسم، حدیثِ مرسل

قولہ: النوع التاسع: المرسل

یہاں سے مصنفؒ حدیث کی نویں قسم بیان فرمارہے ہیں، حدیث کی نویں قسم حدیثِ مرسل ہے۔

حدیثِ مرسل کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

مرسل اسم مفعول کا صیغہ ہے بابِ افعال سے، جس کے معنیٰ ''چھوڑے ہوئے'' کے ہیں، اور حدیثِ مرسل کی بحث میں تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: مرسِل، مرسَل اور مرسَل عنہ، ارسال کرنے والے کو مرسِل، جس حدیث کے اندر ارسال کیا گیا ہے اسے مرسَل کہتے ہیں اور جس راوی کو چھوڑا گیا ہے اسے مرسَل عنہ کہتے ہیں۔

اصطلاح میں حدیثِ مرسل اسے کہتے ہیں کہ تابعیؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کام کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔

یعنی تابعیؒ صحابیؓ کا واسطہ چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث بیان کرے، خواہ فعل بیان کرے یا قول، یا تقریر، اب جس حدیث میں قول کا ذکر ہوگا وہ حدیث مرسل قولی کہلائے گی، جس حدیث میں فعل کا ذکر ہوگا وہ حدیث مرسل فعلی کہلائے گی اور جس حدیث میں تقریر ہوگی وہ حدیث مرسل تقریری کہلائے گی، یہ اصطلاحی تعریف ہوگئی۔

حدیثِ مرسل کی مثال

مسلم شریف میں ہے:

حدثني محمد بن رافع ، حدثنا حجين، حدثنا الليث عن

عقیل عن ابن شهاب عن سعید بن المسیبؒ : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المزابنة.

دیکھئے ! اس حدیث میں سعید بن المسیبؒ جو تابعی ہیں وہ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔

تابعی کبیر اور تابعی صغیر کی تعریف

فائدہ

تعریف میں لفظ ''تابعی کبیر'' ہے یہ اس لیے فرمایا کہ تابعی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)....تابعی کبیر (۲)....تابعی صغیر

(۱)....تابعی کبیر

تابعی کبیر اس تابعی کو کہتے ہیں جس نے اکثر صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہو اور وہ اکثر صحابۂ کرامؓ سے روایت کرتا ہو، جیسے حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیارؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت قیس بن ابی حازمؒ وغیرہ۔

(۲)....تابعی صغیر

تابعی صغیر اس تابعی کو کہتے ہیں جس کی کسی ایک صحابیؓ سے ملاقات ہوئی ہو اور ان کی زیارت ہوئی ہو، اور ان کی زیادہ تر روایات تابعینؒ سے ہوں، جیسے امام زہریؒ، یہ صغارِ تابعین میں سے ہیں۔

تعریف میں تابعی کے ساتھ کبیر کی قید اس لئے لگائی کہ ان دونوں کے حکم میں فرق ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

تابعی سے پہلے راوی ساقط ہونے کا حکم

قوله: فان انقطع قبل التابعی واحد او اکثر.

اگر تابعی سے پہلے سند کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں تو ان کا حکم ایک ہی ہے یا الگ الگ ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر تابعی سے پہلے ایک راوی ساقط ہو تو وہ حدیث منقطع ہوگی اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں تو وہ حدیث معضل منقطع ہوگی، منقطع اس وجہ سے کہ راوی ساقط ہے اور معضل اس وجہ سے کہ دو راوی پے در پے ساقط ہیں، کیونکہ حدیث معضل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں پے در پے دو راوی ساقط ہوں، لہٰذا یہ حدیث بیک وقت منقطع اور معضل دونوں ہوگی، لیکن اس کو مرسل نہیں کہا جائے گا، کیونکہ مرسل اُسی حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں تابعی کے بعد صحابی وغیرہ کا واسطہ حذف ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابیؓ کا واسطہ حذف ہو اور تابعی براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث بیان کرے، پھر اگر تابعی سے پہلے سند میں ایک راوی ساقط ہو تو وہ منقطع ہوگی اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل ساقط ہوں تو وہ حدیث معضل ہوگی۔

قوله: والمشهور فی الفقه و الأصول.

یہ ساری تفصیل حضراتِ محدثینؒ کے نزدیک تھی، اور فقہ واصولِ فقہ میں ان سب کو یعنی مرسل، معضل اور منقطع کو مرسل ہی کہا جاتا ہے اور حضرت خطیب بغدادیؒ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔

لیکن مصنفؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ اختلاف صرف الفاظ اور اصطلاح کا ہے کہ حضراتِ محدثینؒ کے نزدیک مرسل خاص ہے اور حضراتِ فقہاءؒ کے نزدیک عام ہے، جبکہ حکم میں اختلاف نہیں، حکم سب کے نزدیک برابر ہے کہ یہ احادیث ان کے نزدیک بھی قابلِ استدلال نہیں ہیں۔

متن

وَ أَمَّا قَوْلُ الزُّهْرِيِّ وَ غَيْرِهٖ مِنْ صِغَارِ التَّابِعِيْنَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالْمَشْهُوْرُ عِنْدَ مَنْ خَصَّهٗ بِالتَّابِعِيِّ أَنَّهٗ مُرْسَلٌ كَالْكَبِيْرِ وَ قِيْلَ: لَيْسَ بِمُرْسَلٍ بَلْ مُنْقَطِعٌ، وَ إِذَا قَالَ: فُلَانٌ عَنْ رَجُلٍ عَنْ فُلَانٍ فَقَالَ الْحَاكِمُ: مُنْقَطِعٌ لَيْسَ مُرْسَلاً وَ قَالَ غَيْرُهٗ: مُرْسَلٌ.

ترجمہ

اور بہرحال امام زہریؒ اور دوسرے صغارِ تابعین کا قول کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تو جن لوگوں کے نزدیک حدیثِ مرسل تابعی کے ساتھ خاص ہے، انکے ہاں یہ مشہور ہے کہ یہ تابعی کبیر کے قول کی طرح یہ بھی مرسل ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ مرسل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ بہرحال جب راوی یہ کہے ''فلان عن رجل عن فلان'' تو امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ یہ منقطع ہے، مرسل نہیں اور دیگر محدثینِ عظامؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے۔

تشریح

تابعی صغیر کی روایت کا حکم

قولہ: وأما قول الزهری وغیرہ الخ

ماقبل میں تعریف کے اندر تابعی کبیر کی قید تھی، اب یہاں سے مصنفؒ تابعی

صغیر کی روایت کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی حدیث تابعی صغیر سے مروی ہو، مثلاً امام زہریؒ کہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

پہلا قول

جن لوگوں کے نزدیک حدیث مرسل تابعی کے ساتھ خاص ہے، خواہ وہ صغیر ہو یا کبیر، ان کے نزدیک یہ مشہور ہے کہ یہ حدیث مرسل ہوگی جیسا کہ تابعی کبیر کا قول مرسل ہوتا ہے۔

دوسرا قول

بعض حضرات کے نزدیک وہ مرسل نہیں بلکہ منقطع ہوگی، کیونکہ ان کی اکثر روایات تابعی سے ہوتی ہیں۔

قوله: وإذا قال: فلان عن رجل عن فلان الخ.

اسی طرح اگر کوئی راوی روایت کرے اور کہے "فلان عن رجل عن فلان" تو اس میں "فلان" سے کون مراد ہے؟، معلوم نہیں اور "رجل" بھی مبہم ہے، اس لیے امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل نہیں، بلکہ منقطع ہوگی، جبکہ دیگر محدثینؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی یہ مرسل ہوگی۔

متن

ثُمَّ الْمُرْسَلُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ عِنْدَ جَمَاهِيرِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَ الشَّافِعِيِّ وَ كَثِيْرٍ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَ أَصْحَابِ الْأُصُوْلِ. وَ قَالَ مَالِكٌ وَ أَبُوْحَنِيْفَةَ فِيْ طَائِفَةٍ، صَحِيْحٌ. فَإِنْ

صَحَّ مَخْرَجُ الْمُرْسَلِ بِمَجِيئِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مُسْنَدًا أَوْ مُرْسَلاً أَرْسَلَهُ مَنْ أَخَذَ عَنْ غَيْرِ رِجَالِ الْأَوَّلِ كَانَ صَحِيْحًا وَ يَتَبَيَّنُ بِذٰلِكَ صِحَّةُ الْمُرْسَلِ وَ إِنَّهُمَا صَحِيْحَانِ لَوْ عَارَضَهُمَا صَحِيْحٌ مِنْ طَرِيْقٍ رَجَّحْنَاهُمَا عَلَيْهِ إِذَا تَعَذَّرَ الْجَمْعُ. هٰذَا كُلُّهُ فِيْ غَيْرِ مُرْسَلِ الصَّحَابِيِّ، أَمَّا مُرْسَلُهُ فَمَحْكُوْمٌ بِصِحَّتِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيْحِ، وَ قِيْلَ: إِنَّهُ كَمُرْسَلِ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ يُبَيِّنَ الرِّوَايَةَ عَنْ صَحَابِيٍّ.

ترجمہ

پھر جمہور محدثینؒ، امام شافعیؒ، اکثر فقہاء اور اصحابِ اصول کے نزدیک حدیثِ مرسل ضعیف ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، پس اگر حدیثِ مرسل کا مخرج صحیح ثابت ہوجائے بایں معنی کہ دوسرے طریق سے وہ حدیث اس طور پر مسند یا مرسل آجائے کہ اسے ایسے شخص نے ارسال کیا ہو جس نے پہلی مرسل حدیث کے رجال سے حدیث نہ لی ہو تو یہ صحیح ہوجائے گی اور اسی کے ساتھ مرسل کی صحت واضح ہوجائے گی، اور یہ دونوں مرسل صحیح ہوں گی۔ اور اگر ان دونوں کے مقابلے میں کوئی حدیثِ صحیح ایک سند سے آجائے اور ان میں جمع و تطبیق

متعذر ہو تو ہم ان دونوں مرسل حدیثوں کو اس صحیح حدیث پر ترجیح دیں گے، اور یہ ساری تفصیل غیر صحابی کی مراسیل میں ہے۔ بہر حال صحابی کی مرسل حدیث پر صحیح مذہب کے مطابق صحت کا حکم لگایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرسلِ صحابی غیرِ صحابی کے مرسل کی طرح ہے، البتہ اگر روایت صحابی سے ہونا واضح ہو تو اسکی صحت کا حکم ہوگا۔

تشریح

حدیثِ مرسل کا حکم اور اختلافِ ائمہ

قوله: ثم المرسل حديث ضعيف الخ

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ مرسل کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔

حدیثِ مرسل کا حکم یہ ہے کہ یہ فی نفسہٖ ضعیف اور نا قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس میں حدیثِ صحیح کی پانچ شرطوں میں سے دو شرطیں نہیں پائی جا رہی ہیں، ایک یہ کہ اس کی سند متصل نہیں، جس کی وجہ سے یہ ضعیف ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ جو واسطہ درمیان سے منقطع ہے اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ کون ہے؟ چنانچہ اگر صحابی ہے تو عادل ہے اور اگر تابعی ہے تو وہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہو سکتا ہے، لہٰذا اس میں عدالت مفقود ہے، حالانکہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے راویوں کا عادل ہونا بھی ضروری ہے اور سند کا متصل ہونا بھی ضروری ہے، جبکہ یہاں نہ سند متصل ہے اور نہ ہی راویوں کا عادل ہونا معلوم ہے، لہٰذا ایسی صورت میں حدیثِ مرسل فی نفسہٖ ضعیف ہے۔

لیکن چونکہ اکثر اوقات تابعی، صحابیؓ سے حدیث سنتا ہے اور پھر ارسال کرتا ہے، اس لیے علماء اسے قبول کر لیتے ہیں، لیکن یہ قابلِ استدلال اور حجت ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے اور اس میں تین قول مشہور ہیں:

پہلا قول

جمہورِ محدثین، اکثر فقہاء اور اصحابِ اصول اور حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ حدیثِ صحیح کی دو شرطوں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حدیثِ مرسل قابلِ استدلال اور حجت نہیں، کیونکہ ایک تو اس میں سند متصل نہیں، دوسرے یہ کہ جو راوی حذف ہے وہ مفقود العدالۃ ہے۔

دوسرا قول

حدیثِ مرسَل حجت ہے، لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ مرسِل، ثقہ سے ارسال کرتا ہو تو پھر وہ قابلِ استدلال اور حجت ہے، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔

تیسرا قول

تیسرا قول امام شافعیؒ کا ہے کہ حدیثِ مرسل چار شرطوں کے ساتھ حجت ہے، ان چار شرطوں میں سے تین کا تعلق راوی سے ہے اور ایک شرط کا تعلق روایت سے ہے، جن تین شرطوں کا تعلق راوی سے ہے، وہ یہ ہیں:

(۱)..... تابعی کبیر ہو، صغیر نہ ہو۔

(۲)..... اگر مرسِل، مرسَل عنہ کو متعین کرے تو وہ ثقہ ہو۔

(۳)..... اگر اس حدیثِ مرسل کے ساتھ روایت کرنے میں کوئی حافظ و متقن جو صدق و امانت میں مشہور ہو، مل جائے اور کہ وہ حافظ اس مرسل کی موافقت کرے، مخالفت نہ کرے۔

(۴)..... چوتھی شرط جس کا تعلق روایت سے ہے، اس میں ذرا تفصیل ہے اس میں چار باتوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱)..... یا وہ حدیثِ مرسل دوسری سند سے مسنداً مروی ہو، یعنی یہی الفاظ دوسری سند سے مسنداً منقول ہوں۔

(۲)..... اور اگر مسنداً مروی نہ ہو تو کم از کم دوسری سند سے مرسلاً مروی ہو اور اس دوسری حدیث کا مرسل پہلی حدیث کے مرسل کا غیر ہو، یعنی دونوں جگہ حدیث کے الفاظ ایک ہوں، لیکن دونوں کا مرسل الگ الگ ہو۔

(۳)..... یا وہ حدیث اہلِ علم کے فتویٰ کے مطابق ہو۔

(۴)..... یا پھر قولِ صحابی کے موافق ہو۔

جب ان چار شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے گی تو اس وقت یہ حدیثِ مرسل قابلِ استدلال اور حجت ہوگی، ورنہ نہیں۔

قوله: وإنهما صحيحان لو عارضهما الخ

یعنی یہ حدیث مرسل جو دوسری سند سے مسنداً یا مرسلاً مروی ہے، اگر اس حدیث کا کسی دوسری صحیح حدیث سے تعارض ہو جائے اور دونوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں یہ حدیث مرسل جو دوسری سند سے مسنداً یا مرسلاً مروی ہے، بہ نسبت صحیح حدیث کے راجح ہوگی، یعنی اگر اس حدیثِ صحیح کو ان دو مرسل یا ایک مرسل اور مسند کے ساتھ جمع کرنا متعذر رہو تو ان دو مرسل یا ایک مرسل اور مسند کو اس حدیثِ صحیح پر ترجیح دیں گے، جو ایک سند سے مروی ہو۔

مرسلِ صحابی کا حکم

قوله: هذا كله مرسل في غير الصحابي الخ.

یہ ماقبل کی تمام تفصیل صحابی کے مرسل کے علاوہ میں تھی، البتہ صحابیؓ کا مرسل قابلِ استدلال اور حجت ہے یا نہیں؟ مصنفؒ نے اس بارے میں دو قول ذکر فرمائے ہیں:

پہلا قول

پہلا قول ہے کہ مرسلِ صحابی حجت ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ عادل ہیں اور یہی قول راجح ہے۔

دوسرا قول

صحابی کا مرسل بھی تابعی کے مرسل کی طرح ہے اور جو شرائط تابعی کے ارسال میں ہیں، وہ صحابی کے ارسال میں بھی ہیں، الاّ یہ کہ وہ صحابی سے روایت کرنے کو واضح کردے کہ میں نے یہ حدیث صحابی سے سنی ہے پھر وہ بغیر شرائط کے بھی معتبر اور حجت ہوگی، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

سوال:۔

مرسل احادیث کہاں ملیں گی؟

جواب:۔

مرسل احادیث درج ذیل کتب میں ملیں گی:

(۱)....كتاب المراسيل لابي داؤد

(۲)....مصنّف عبدالرزاق

(۳)....المراسيل لابن ابي حاتم

(۴)....جامع التحصيل لاحكام المراسيل للعلائي

متن

اَلنَّوْعُ الْعَاشِرُ: اَلْمُنْقَطِعُ: اَلصَّحِيْحُ الَّذِیْ ذَهَبَ إِلَيْهِ الْفُقَهَاءُ وَ الْخَطِيْبُ وَابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَ غَيْرُهُمْ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ أَنَّ الْمُنْقَطِعَ مَا لَمْ يَتَّصِلْ إِسْنَادُهُ عَلٰى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ إِنْقِطَاعُهُ وَ أَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِیْ رِوَايَةِ مَنْ دُوْنَ التَّابِعِيِّ عَنِ الصَّحَابِيِّ كَمَالِكٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ. وَ قِيْلَ: هُوَ مَا اخْتَلَّ مِنْهُ رَجُلٌ قَبْلَ التَّابِعِيِّ مَحْذُوْفًا كَانَ أَوْ مُبْهَمًا كَرَجُلٍ. وَ قِيْلَ: هُوَ مَا رُوِیَ عَنْ تَابِعِيٍّ أَوْ مَنْ دُوْنَهُ قَوْلاً لَهُ أَوْ فِعْلاً. وَ هٰذَا غَرِيْبٌ ضَعِيْفٌ.

ترجمہ

دسویں قسم: حدیثِ منقطع ہے۔اس کے بارے میں وہ صحیح قول جو حضراتِ فقہاءؒ، خطیب بغدادیؒ، علامہ ابن عبدالبرؒ اور محدثینؒ کا ہے، وہ یہ ہے کہ منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو، خواہ انقطاع جس طریقے پر بھی ہو، اور اکثر وبیشتر حدیثِ منقطع کا اطلاق اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں غیر تابعی، صحابی سے روایت کرے، جیسے

امام مالکؒ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کریں۔ اور کہا گیا ہے کہ منقطع وہ حدیث ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی ساقط ہوجائے، خواہ وہ محذوف ہو یا مبہم مثلاً "رجل" کہا جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ منقطع وہ حدیث ہے جس میں تابعی یا تبعِ تابعی کا قول یا فعل ذکر کیا جائے اور یہ قول غریب اور ضعیف ہے۔

تشریح

دسویں قسم حدیثِ منقطع

قولہ: النوع العاشر: المنقطع الخ

یہاں سے مصنف حدیث کی دسویں قسم بیان فرمارہے ہیں اور وہ حدیثِ منقطع ہے، منقطع باب انفعال سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنٰی "غیر متصل" کے ہیں، کیونکہ منقطع متصل کی ضد ہے اور متصل کے معنٰی غیر منقطع کے آتے ہیں، تو منقطع کے معنی بھی "غیر متصل" کے ہوں گے۔

حدیثِ منقطع کی چار تعریفات اور حکم

اس کی اصطلاحی تعریف چار ہیں، ایک تعریف متقدمینؒ نے فرمائی ہے جو یہاں مذکور ہے، دوسری تعریف متاخرینؒ نے کی ہے اور اسکے علاوہ دو ضعیف تعریفیں اور بھی ہیں، وہ بھی یہاں مذکور ہیں۔

تعریفِ متقدمین

منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو۔

یہ منقطع کی تعریف ہے، اب خواہ وہ انقطاع سند کے شروع میں ہو یا سند کے درمیان میں ہو یا آخر میں ہو اور خواہ ایک راوی کا انقطاع ہو یا دو راویوں کا۔ یہ سب اس میں شامل ہے، لہٰذا اس بناء پر اس تعریف میں بہت عموم ہے کہ حدیثِ منقطع کے اندر حدیثِ مرسل، معلق، معضل سب داخل ہو جائیں گی، کیونکہ ان سب میں انقطاع پایا جاتا ہے۔

تعریفِ متأخرین

منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو اور اس پر مرسل، معضل اور معلق کا نام صادق نہ آئے۔

اس قید سے منقطع ان سب سے الگ اور ممتاز ہو گئی۔

حدیثِ منقطع کی مثال

ما رواه عبد الرزاق عن الثوری عن أبی اسحاق عن زید بن یثیع عن حذیفه مرفوعاً ان ولّیتموها ابابکر فقوی امین

اس سند میں امام ثوری اور امام ابو اسحاق کے درمیان میں شریک نامی راوی ساقط ہے، کیونکہ امام ثوری نے یہ روایت خود امام ابو اسحاق سے نہیں سنی، بلکہ ان کو بواسطہ شریک پہنچی ہے اور شریک نے یہ حدیث امام ابو اسحاق سے سنی ہے، اس مثال پر مرسل اور معضل کی تعریف صادق نہیں آتی۔

قوله: واکثر ما یستعمل فی روایة الخ

مصنفؒ نے آگے یہ فرمایا کہ اکثر و بیشتر منقطع کا اطلاق اس روایت پر ہوتا ہے جس میں تبعِ تابعی صحابی سے روایت کرے جیسے "مالک عن ابن عمرؓ" اسمیں

امام مالکؒ تبع تابعی ہیں اور ابن عمرؓ صحابی ہیں تو اس پر منقطع کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اگر تابعی صحابی کا واسطہ چھوڑ دے تو وہ منقطع نہیں، بلکہ مرسل کہلاتی ہے۔

تیسری تعریف

حدیثِ منقطع وہ حدیث ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی ساقط ہو، خواہ وہ محذوف ہو یا مبہم ہو، مبہم کی مثال جیسے "رَجُلٌ" اب رجل سے کون شخص مراد ہے؟ کچھ معلوم نہیں، کیونکہ ہر آدمی "رجل" میں داخل ہے، یہ تعریف ضعیف ہے، کیونکہ یہ جمہور کی تعریف کے خلاف ہے۔

چوتھی تعریف

حدیثِ منقطع وہ حدیث ہے جو تابعی یا تبعِ تابعی سے مروی ہو، یعنی اس میں تابعی یا تبعِ تابعی کے قول، فعل اور تقریر کا ذکر ہو۔ لیکن یہ تعریف بہت ہی ضعیف ہے، کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ حدیث مقطوع کہلاتی ہے نہ منقطع۔

حدیثِ منقطع کا حکم

یہ حدیث ضعیف اور مردود ہے، کیونکہ اس میں محذوف شخص کا حال معلوم نہیں کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الْحَادِیْ عَشَرَ: اَلْمُعْضَلُ: هُوَ بِفَتْحِ الضَّادِ، يَقُوْلُوْنَ: أَعْضَلَهُ فَهُوَ مُعْضَلٌ وَ هُوَ مَا سَقَطَ مِن إِسْنَادِهِ اِثْنَانِ فَأَكْثَرُ، وَ يُسَمّٰى مُنْقَطِعًا وَ يُسَمّٰى مُرْسَلًا عِنْدَ الْفُقَهَاءِ وَ غَيْرِهِمْ كَمَا تَقَدَّمَ، وَ قِيْلَ:

إِنَّ قَوْلَ الرَّاوِیْ: بَلَغَنِیْ كَقَوْلِ مَالِكٍ بَلَغَنِیْ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ" يُسَمّٰى مُعْضَلاً عِنْدَ أَصْحَابِ الْحَدِيْثِ. وَ إِذَا رَوٰى تَابِعُ التَّابِعِيِّ عَنْ تَابِعِيٍّ حَدِيْثًا وَقَفَهٗ عَلَيْهِ وَ هُوَ عِنْدَ ذٰلِكَ التَّابِعِيِّ مَرْفُوْعٌ مُتَّصِلٌ فَهُوَ مُعْضَلٌ.

ترجمہ

گیارھویں قسم حدیثِ معضل: کے بیان میں ہے، اور معضل ضاد کے فتح کیساتھ ہے اور حضرات محدّثین "أعضله فهو معضل" اس وقت کہتے ہیں جب معاملہ سخت ہوجائے، اور یہ وہ حدیث ہے جسکی سند سے دو یا زیادہ راوی ساقط ہوں اور اسے منقطع بھی کہا جاتا ہے، جبکہ فقہاء اور دیگر حضرات کے نزدیک اسے مرسل کہا جاتا ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ اور کہا گیا ہے کہ راوی کا کہنا "مجھے خبر پہنچی ہے" جیسے امام مالکؒ کا قول ہے کہ مجھے حضرت ابوہریرہؓ سے خبر پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مملوک" کے لئے اسکا کھانا اور کپڑا ہے۔" اس کو اہلِ حدیث معضل کہتے ہیں۔ اور جب تبع تابعی کسی تابعی سے حدیث روایت کرے اور اس پر موقوف کردے اور وہ حدیث اس تابعی کے پاس مرفوع متصل ہو تو وہ معضل ہوگی۔

تشریح

گیارہویں قسم، حدیثِ معضل

قوله: المعضل هو بفتح الضاد الخ

گیارہویں قسم، حدیث معضل کے بیان میں ہے۔

معضل کے لغوی معنیٰ

معضل اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں: وہ شخص جس کو تھکا دیا گیا ہو اور "أعضله فهو معضل" اس وقت کہتے ہیں جب معاملہ سخت اور مشکل ہو جائے۔

حدیثِ معضل کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں حدیثِ معضل وہ حدیث ہے جسکی سند میں دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل اور پے در پے ساقط ہوں، اسے مرسل اور منقطع بھی کہا جاتا ہے فقہاء کے نزدیک۔

قوله: وقيل إن قول الراوي: بلغني.

بعض حضرات نے کہا کہ راوی کا قول "بلغني" اسے بھی اصحابِ حدیث معضل کہتے ہیں، جیسے امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

"بلغني عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: للمملوك طعامه وكسوته"(۱)

یہ بھی اصحابِ حدیث کے نزدیک معضل ہے، کیونکہ یہاں دو راوی ساقط ہیں اور پوری سند اس طرح ہے:

(۱) سنن المأثورة للشافعي ص ۳۹۳، مسند أبي عوانه ج ۴ ص ۷۴.

"مالک عن محمد بن عجلان عن أبیه عن أبی هریرة"

تو اس میں "محمد بن عجلان" اور ان کے والد "عجلان" دونوں ساقط ہیں، لہٰذا یہ حدیث معضل ہوگی۔

قوله: وإذا روی تابع التابعی عن تابعی الخ

اسی طرح جب کوئی تبعِ تابعی، تابعی سے حدیث روایت کرے اور اس حدیث کو تابعی پر موقوف کرے اور وہ حدیث اس تابعی کے نزدیک مرفوع متصل ہو تو اس کو بھی معضل کہا جاتا ہے، اس کی مثال جیسے:

أعمشؒ (تبعِ تابعی) شعبیؒ (تابعی) سے روایت کرتے ہیں کہ امام شعبیؒ نے فرمایا کہ

"یقال للرجل یوم القیامة عملت کذا کذا الخ"(۱)

اعمشؒ نے یہ حدیث امام شعبیؒ سے موقوفاً نقل کی ہے، حالانکہ امام شعبیؒ کے نزدیک یہ حدیث مرفوع متصل ہے، اس لئے کہ یہی حدیث سندِ متصل کے ساتھ امام شعبیؒ سے مروی ہے:

"فضیل بن عمرو عن شعبی عن أنس قال: کنا عند النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم..."فذکر الحدیث.

اب ظاہراً یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واسطہ حذف ہے، اس لئے اس کو مرسل کہنا چاہئے، لیکن علامہ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ انجام کے اعتبار سے یہاں دو واسطے محذوف ہیں، کیونکہ امام شعبیؒ نے حضرت انسؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی نہیں کیا، لہٰذا یہاں دو مروی عنہ محذوف ہیں، ایک حضرت انسؓ اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، لہٰذا یہ حدیث معضل ہوگی۔

---

(۱) سنن المأثورة للشافعی ص ۳۹۴، مسند أبی عوانه ج ۴ ص ۷۴.

حدیثِ معضل کا حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حدیثِ مرسل اور منقطع سے بھی زیادہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں مسلسل دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوتے ہیں، اور ان کا حال بھی معلوم نہیں کہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ اس وجہ سے اس میں ان کی بہ نسبت ضعف زیادہ ہے۔

متن

فُرُوْعٌ: أَحَدُهَا: اَلْإِسْنَادُ الْمُعَنْعَنُ وَهُوَ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ، قِيْلَ: إِنَّهُ مُرْسَلٌ وَالصَّحِيْحُ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَ قَالَهُ الْجَمَاهِيْرُ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ وَالْأُصُوْلِ أَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِشَرْطِ أَنْ لَّايَكُوْنَ الْمُعَنْعِنُ مُدَلِّسًا وَ بِشَرْطِ إِمْكَانِ لِقَاءِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَ فِیْ اِشْتِرَاطِ ثُبُوْتِ اللِّقَاءِ وَ طُوْلِ الصُّحْبَةِ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِالرِّوَايَةِ عَنْهُ، خِلَافٌ. مِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يَشْتَرِطْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِکَ وَ هُوَ مَذْهَبُ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ وَ ادَّعٰی الْإِجْمَاعَ فِيْهِ وَ مِنْهُمْ مَنْ شَرَطَ اللِّقَاءَ وَحْدَهٗ وَهُوَ قَوْلُ الْبُخَارِیِّ وَ ابْنِ الْمَدِيْنِیِّ وَ الْمُحَقِّقِيْنَ وَ مِنْهُمْ مَنْ شَرَطَ طُوْلَ الصُّحْبَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ شَرَطَ مَعْرِفَتَهٗ بِالرِّوَايَةِ عَنْهُ، وَكَثُرَ فِیْ هٰذِهٖ

الْأَعْصَارِ اِسْتِعْمَالُ "عَنْ" فِي الْإِجَازَةِ فَإِذَا قَالَ أَحَدُهُمْ: قَرَأْتُ عَلَى فُلَانٍ "عَنْ"، فَمُرَادُهُ أَنَّهُ رَوَاهُ عَنْهُ بِالْإِجَازَةِ.

ترجمہ

فروعات: ان میں سے پہلی فرع اسنادِ معنعن ہے، یعنی "فلان عن فلان" اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مرسل ہے، البتہ صحیح قول جس پر عمل ہے اور اسی کے قائل جمہور اصحابِ حدیث، فقہاء اور اصحابِ اصول ہیں کہ یہ اسنادِ معنعن متصل ہے بشرطیکہ عنعنہ کرنے والا مدلّس نہ ہو اور راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو۔ اور راوی کی مروی عنہ کے ساتھ ثبوتِ لقاء، طولِ صحبت اور معرفة بالروایة کی شرط لگانے میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض محدّثین نے ان شرائط میں سے کوئی شرط نہیں لگائی اور یہ امام مسلمؒ بن حجاج کا مذہب ہے اور انہوں نے اس عدمِ اشتراط پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور بعض محدّثین نے صرف "لقاء مرة" کی شرط لگائی ہے، یہ امام بخاریؒ، علی ابن مدینیؒ اور محققین کا قول ہے، بعض محدّثینؒ نے طولِ صحبت کی شرط لگائی ہے اور بعض محدّثینؒ نے مروی عنہ سے روایت کرنے میں اس کے معروف ہونے کی شرط لگائی ہے۔ اور عصرِ حاضر میں "عن" کا استعمال عام طور پر اجازت میں ہوتا ہے، چنانچہ جب کوئی راوی کہے "قرأت علی فلان عن فلان" تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ان سے اجازت کیساتھ روایت کرتا ہے۔

تشریح

حدیثِ معضل کی چار فروعات
پہلی فرع حدیثِ معنعن کے بیان میں

قوله: فروع: أحدها الإسناد المعنعن.

یہاں سے مصنفؒ حدیثِ معضل کے متعلق چار جزئیات اور فروع بیان فرمارہے ہیں، پہلی فرع حدیثِ معنعن کے بیان میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "حدیثِ معنعن" اس حدیث کو کہتے ہیں جو لفظ "عن" کے ساتھ روایت کی جائے اور اس طرح روایت کرنے کو "عنعنه" کہتے ہیں، لفظِ "عن" سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ راوی نے یہ حدیث مروی عنہ سے بالواسطہ حاصل کی ہے یا بلا واسطہ؟ یعنی اس میں اتصال کا بھی احتمال ہوتا ہے اور انقطاع کا بھی، لہٰذا ایسی سند کو متصل کہا جائے یا منقطع؟ اس بارے میں مصنفؒ نے پانچ اقوال بیان فرمائے ہیں:

(۱)۔۔۔۔ پہلا قول یہ ہے کہ "حدیثِ معنعن" مرسل ہے اور منقطع کے حکم میں ہے۔

(۲)۔۔۔۔ "حدیثِ معنعن" کی سند دو شرطوں کے ساتھ متصل کہلائے گی:

(۱)۔۔۔۔ معنعِن، مدلس نہ ہو۔

(۲)۔۔۔۔ اس کی اپنی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو۔

ممکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو، دونوں ہمعصر ہوں، خواہ ملاقات ثابت ہو یا نہ ہو۔

ان دو شرطوں کے ساتھ "حدیثِ معنعن" متصل کہلائے گی۔ اور یہ قول

امام مسلمؒ کا ہے۔

اس کے بعد مصنفؒ نے فرمایا کہ:

(۱)....راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)....اسی طرح طولِ صحبت ضروری ہے یا نہیں؟

(۳)....اور "معرفة بالرواية" ضروری ہے یا نہیں؟

اور "معرفة بالرواية" کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا مروی عنہ سے روایت لینا مشہور و معروف ہو۔

مذکورہ تین شرطیں ضروری ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں شرطوں میں سے کوئی بھی شرط ضروری نہیں، بلکہ صرف ہمعصر ہونا کافی ہے اور فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ شرطیں لگائی ہیں انہوں نے اجماع کے خلاف کیا ہے۔

البتہ امام بخاریؒ اور علی ابن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں شرطوں میں سے صرف ایک شرط کا پایا جانا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ایک مرتبہ ملاقات ثابت ہو، محض ہمعصر ہونا کافی نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا کہ طولِ صحبت بھی ضروری ہے، یہ امام "ابو المظفر سمعانیؒ" کا مسلک ہے، اور امام "ابوعمرو الدانیؒ" نے فرمایا کہ "معرفة بالرواية" کا ہونا بھی ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "حدیثِ معنعن" کے سلسلے میں پانچ اقوال ہیں:

"حدیثِ معنعن" کے بارے میں پانچ اقوال

(۱)....امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ "حدیثِ معنعن"

متصل کہلائے گی:

(۱)..... معنعن، مدلّس نہ ہو۔

(۲)..... اس کی اپنے مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو، اسکے علاوہ کوئی اور شرط نہیں ہے۔

(۲)..... امام بخاریؒ اور امام علی ابن مدینیؒ نے "لقاء مرة" کی شرط کا اضافہ کیا ہے۔

(۳)..... "امام ابو المظفر سمعانیؒ" نے فرمایا کہ سند کو متصل قرار دینے کے لیے طولِ صحبت بھی ضروری ہے۔

(۴)..... "امام ابو عمرو الدانیؒ" کے نزدیک "معرفة بالرواية" بھی شرط ہے۔

(۵)..... بعض حضرات کے نزدیک یہ "حدیثِ معنعن" مرسل ہے، اور منقطع کے حکم میں ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا فیصلہ

اب یہ پانچ مسلک ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ جنہوں نے کہا کہ ' حدیثِ معنعن" مطلقاً مرسل بمعنٰی منقطع ہے تو انہوں نے بہت سختی سے کام لیا اور جنہوں نے کہا کہ ان تینوں شرطوں میں سے کسی بھی شرط کی ضرورت نہیں ہے، صرف معاصرت کافی ہے، انہوں نے بہت نرمی سے کام لیا ہے، سب سے بہترین اور معتدل مسلک امام بخاریؒ اور علی ابن مدینیؒ کا ہے۔

قوله: وكثر في هذه الأعصار الخ

علامہ ابن الصلاحؒ اپنے زمانے کے اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ ہمارے

زمانے میں "عن" کا استعمال اجازتِ حدیث کیلئے ہوتا ہے، لہٰذا جب کوئی "قرأت علی فلان عن فلان" کہے تو اس سے "روایۃ بالاجازۃ" مراد ہوتی ہے۔

متن

اَلثَّانِیْ: إِذَا قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ أَنَّ ابْنَ الْمُسَیَّبِ حَدَّثَهُ بِکَذَا، أَوْ قَالَ: قَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ کَذَا أَوْ فَعَلَ کَذَا أَوْ کَانَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ یَفْعَلُ وَ شِبْهُ ذٰلِکَ فَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَجَمَاعَةٌ: لَاتَلْتَحِقُ "أَنَّ" وَ شِبْهُهَا "بِـ عَنْ" بَلْ یَکُوْنُ مُنْقَطِعًا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ السَّمَاعُ، وَ قَالَ الْجَمْهُوْرُ: أَنَّ کَـ عَنْ، وَ مُطْلَقُهُ مَحْمُوْلٌ عَلَی السَّمَاعِ بِالشَّرْطِ الْمُتَقَدِّمِ.

ترجمہ

دوسری فرع، حدیث مُؤَنَّن کا حکم، جب راوی کہے کہ امام زہریؒ نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ بلاشبہ ابنِ مسیّبؒ نے اسے یہ حدیث بیان کی ہے یا راوی یہ کہے کہ ابن مسیّب نے یہ کہا، یا یہ کیا، یا ابن مسیّب یہ کیا کرتے تھے، یا اس کے مشابہ کچھ کہے، تو امام احمد بن حنبلؒ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ "أَنَّ" اور اس کے مشابہ الفاظ "عَنْ" کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ حدیث منقطع ہوگی، یہاں تک کہ سماع ظاہر ہوجائے اور جمہورؒ نے یہ کہا کہ "أَنَّ" "عَنْ" کیطرح ہے اور مطلق "أَنَّ" شرطِ مقدم کیساتھ سماع پر محمول ہے۔

تشریح

دوسری فرع

مصنفؒ یہاں سے دوسری فرع یعنی "حدیثِ مُئَنَّن" کو بیان فرمارہے ہیں کہ "حدیثِ مُئَنَّن" وہ حدیث ہے جس کی سند میں راوی "إنَّ یاقال یا فعل یا سمع" کا صیغہ استعمال کرے۔ اس کی مثال یہ ہے:

"حدثنا الزهری أنّ ابن المسیّب حدثه بکذا الخ

اب یہ حدیثِ مئنّن، حدیثِ معنعن کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور علماء کی ایک جماعت جن میں "حافظ امام ابوبکر بردیجیؒ" بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ "إنَّ" اور اس کے مشابہ صیغے "عَنْ" کی طرح نہیں ہیں اور نہ "عَنْ" کی طرح ان کا حکم ہوگا، بلکہ وہ حدیث جو "إنَّ" اور اس کے مشابہ الفاظ کے ساتھ روایت ہوگی، وہ منقطع ہوگی، یہاں تک کہ سماع ظاہر ہوجائے، اور سماع ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوسری سند سے راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہوجائے، بہرحال! اگر سماع ثابت ہوجائے تو پھر اس صورت میں وہ حدیث متصل ہوگی ورنہ منقطع ہی رہے گی۔

جمہورِ علماءؒ اور حضراتِ محدثینؒ یہ فرماتے ہیں کہ "أنّ"، "عنْ" کی طرح ہے جیسے حدیث "معنعن" متصل کے حکم میں ہے، ایسے ہی "أنّ" اسکے مشابہ صیغوں کے ذریعے جو حدیث بیان کی جائے گی وہ بھی حدیثِ متصل کے حکم میں ہوگی، بشرطیکہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ہو اور راوی مدلس نہ ہو۔

لہٰذا جو حدیث " إنّ "وغیرہ کے ساتھ مذکور ہوگی اس کو سماع پر محمول کیا جائے گا، منقطع نہیں کہا جائے گا، لیکن ماقبل کی شرائط کے ساتھ کہ راوی مدلّس نہ ہو، اور راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ہو اور جب یہ دونوں شرطیں "حدیثِ مُئَنَّن" میں پائی جائیں گی تو یہ بھی متصل کے حکم میں ہوگی۔

متن

اَلثَّالِثُ: اَلتَّعْلِيْقُ الَّذِیْ يَذْكُرُهُ الْحُمَيْدِيُّ وَ غَيْرُهُ فِیْ أَحَادِيْث مِنْ كِتَابِ الْبُخَارِيِّ وَ سَبَقَهُمْ بِاسْتِعْمَالِهِ الدَّارُ قُطْنِیُّ، صُوْرَتُهُ أَنْ يُحْذَفَ مِنْ أَوَّلِ الْإِسْنَادِ وَاحِدٌ فَأَكْثَرُ وَكَأَنَّهُ مَأْخُوْذٌ مِنْ تَعْلِيْقِ الْجِدَارِ لِقَطْعِ الْاِتِّصَالِ وَاسْتَعْمَلَهُ بَعْضُهُمْ فِیْ حَذْفِ كُلِّ الْإِسْنَادِ كَقَوْلِهٖ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَوْ عَطَاءٌ أَوْ غَيْرُهُ كَذَا. وَ هٰذَا التَّعْلِيْقُ لَهُ حُكْمُ الصَّحِيْحِ كَمَا تَقَدَّمَ فِیْ نَوْعِ الصَّحِيْحِ وَ لَمْ يَسْتَعْمِلُوْا التَّعْلِيْقَ فِیْ غَيْرِ صِيْغَةِ الْجَزْمِ كَـ يُرْوٰى عَنْ فُلَانٍ كَذَا أَوْ يُقَالُ عَنْهُ وَ يُذْكَرُ

وَ يُحْكَى وَ شِبْهِهَا بَلْ خَصُّوْا بِهٖ صِيغَةَ الْجَزْمِ كَـ قَالَ وَ فَعَلَ وَ أَمَرَ وَ نَهٰى وَ ذَكَرَ وَ حَكٰى وَ لَمْ يَسْتَعْمِلُوْهُ فِيمَا سَقَطَ وَسْطَ إِسْنَادِهٖ.

ترجمہ

تیسری فرع: وہ تعلیق جسے امام حمیدیؒ اور دوسرے محدثینؒ بخاری شریف کی احادیث میں ذکر کرتے ہیں، اور امام دارقطنی نے تعلیق کے استعمال میں ان سے سبقت کی ہے، اس تعلیق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اوّل سند سے ایک یا زیادہ راوی حذف کر دیے جائیں، گویا کہ یہ اتصال کے قطع ہونے کیوجہ سے "تعليق الجدار" سے ماخوذ ہے اور بعض حضراتِ محدثینؒ کو پوری سند کے حذف کرنے میں بھی س تعلیق کا استعمال کیا ہے جیسے امام بخاریؒ کا قول "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" یا "قال ابن عباس" یا "قال عطاء كذا" وغیرہ۔ اور اس تعلیق کے لئے صحیح کا حکم ہے جیسا کہ صحیح کی قسم میں گزرا، اور محدثینؒ نے تعلیق کا استعمال صیغۂ جزم کے علاوہ میں نہیں کیا ہے جیسے "يروى عن فلان كذا أو يقال عنه و يذكر و يحكى" اور اس کے مشابہ الفاظ، بلکہ تعلیق کے ساتھ صیغۂ جزم کو خاص کیا ہے جیسے " قال، فعل، أمر، نهى، ذكر اور حكى". اور محدثینؒ نے تعلیق کا استعمال اس حدیث میں بھی نہیں کیا ہے جس

کی سند کے درمیان سے ایک یا دو راوی ساقط ہو جائیں۔

تشریح

تیسری فرع، حدیثِ معلّق کا حکم

مصنفؒ نے اس تیسری فرع میں حدیثِ معلّق کی تعریف اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے۔

لغوی تشریح

حدیثِ معلّق "تعلیق الجدار" یا "تعلیق الطلاق" سے مشتق ہے، اتصال کے نہ پائے جانے کی وجہ سے، جیسے دیوار کے اندر اگر اتصال نہ ہو تو اسے "تعلیق الجدار" کہتے ہیں اور طلاق میں تعلیق ہو تو اسے طلاقِ معلّق کہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی متصل نہیں ہوتی، یعنی فی الحال طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ایسے ہی حدیثِ معلّق کی سند میں اتصال نہ پائے جانے کی وجہ سے اسے معلّق کہا جاتا ہے، اس مناسبت کی وجہ سے یہ "تعلیق الجدار" یا "تعلیق الطلاق" سے مشتق اور ماخوذ ہے۔

حدیثِ معلّق کی اصطلاحی تعریف

حدیثِ معلّق وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا گیا ہو، یعنی راوی نے قصداً سند کے شروع سے ایک یا چند راوی حذف کر دیے ہوں یا پوری سند حذف کر کے کہا ہو: "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" یا پھر صحابی کا واسطہ یا صحابی اور تابعی دونوں کا واسطہ حذف کر دیا ہو، غرض یہ کہ سند کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ راوی حذف ہوں تو اس کو "حدیثِ معلّق" کہتے ہیں۔

حدیثِ معلّق کا حکم

حدیثِ معلّق کا حکم یہ ہے کہ اگر تعلیقات کسی ایسے محدّث سے مروی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ، تو اگر ایسا کوئی محدّث ان تعلیقات کو صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کرے، جیسے "قال، ذکر، روی، حکی" وغیرہ تو اس صورت میں انکی تعلیقات صحیح کے حکم میں ہوں گی اور مقبول ہوں گی۔

اور اگر صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر نہ کریں بلکہ صیغۂ تمریض یعنی مجہول کے صیغہ کے ساتھ ذکر کریں جیسے "یقال، یذکر، یروی، یحکی" وغیرہ تو راجح قول کے مطابق ایسی تعلیقات مقبول نہ ہوں گی۔

یا اسی طرح اگر کوئی محدث ایسا ہے جو ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے روایت کرتا ہے تو اس کی تعلیقات بھی قبول نہ ہوں گی، بلکہ تحقیق کی جائے گی۔

بہر حال متقدّمین نے صیغۂ جزم اور صیغۂ تمریض میں یہ فرق کیا ہے کہ صیغۂ جزم کے ساتھ منقول تعلیقات مقبول ہوں گی اور صیغۂ غیر جزم کے ساتھ غیر مقبول ہوں گی۔

لیکن متاخرین نے جن میں حافظ ابو الحجاج المُزّی بھی ہیں، انہوں نے صیغۂ جزم کے علاوہ میں بھی حدیثِ معلّق کا استعمال کیا ہے، لہٰذا اس قول کے مطابق تعلیقات خواہ صیغۂ جزم کے ساتھ مروی ہوں یا صیغۂ تمریض کے ساتھ، دونوں پر تعلیق کا استعمال ہے۔

قوله: ولم يستعملوه فيما سقط وسط إسناده

اسی طرح محدّثین تعلیق کا لفظ وہاں بھی استعمال نہیں کرتے جہاں سند کے

درمیان سے کوئی راوی ساقط ہو، کیونکہ تعلیق ابتداءِ سند سے ہوتی ہے، لہٰذا وہ حدیث منقطع ہوگی معلق نہیں۔

متن

اَلرَّابِعُ: إِذَا رَوٰی بَعْضُ الثِّقَاتِ الضَّابِطِیْنَ الْحَدِیْثَ مُرْسَلاً، وَ بَعْضُهُمْ مُتَّصِلاً أَوْ بَعْضُهُمْ مَوْقُوْفًا وَ بَعْضُهُمْ مَرْفُوْعًا أَوْ وَصَلَهُ هُوَ أَوْ رَفَعَهُ فِیْ وَقْتٍ أَوْ أَرْسَلَهُ وَ وَقَفَهُ فِیْ وَقْتٍ فَالصَّحِیْحُ أَنَّ الْحُکْمَ لِمَنْ وَصَلَهُ أَوْ رَفَعَهُ سَوَاءٌ کَانَ الْمُخَالِفُ لَهُ مِثْلَهُ أَوْ أَکْثَرَ، لِأَنَّ ذٰلِکَ زِیَادَةُ ثِقَةٍ وَ هِیَ مَقْبُوْلَةٌ وَ مِنْهُمْ مَنْ قَالَ: اَلْحُکْمُ لِمَنْ أَرْسَلَه أَوْ وَقَفَهُ قَالَ الْخَطِیْبُ: وَ هُوَ قَوْلُ أَکْثَرِ الْمُحَدِّثِیْنَ وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ اَلْحُکْمُ لِلْأَکْثَرِ وَ بَعْضِهِمْ لِلْأَحْفَظِ.

ترجمہ

چوتھی فرع: جب ثقات اہلِ ضبط میں سے بعض حدیث کو مرسلاً روایت کریں اور بعض اس کو متصلاً روایت کریں، یا بعض اس کو موقوفاً اور بعض اس کو مرفوعاً روایت کریں، یا ایک راوی ایک وقت میں خود ایک حدیث کو موصولاً یا مرفوعاً روایت کرے اور دوسرے وقت میں

اسی حدیث کو مرسلاً یا موقوفاً روایت کرے، تو صحیح یہ ہے کہ فیصلہ اس شخص کے حق میں ہوگا جو اس کو مرفوعاً یا موصولاً روایت کرے، برابر ہے کہ مخالف ثقاہت اور ضبط میں اس کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ اس لئے کہ موصولاً اور مرفوعاً روایت کرنا زیادتِ ثقہ کی قبیل سے ہے، اور وہ مطلقاً مقبول ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ فیصلہ اس شخص کے حق میں ہوگا جو مرسلاً یا موقوفاً روایت کرے، امام خطیبؒ فرماتے ہیں کہ یہی اکثر محدّثین کا قول ہے اور بعض محدّثین کے نزدیک حکم اکثر کے لئے ہے، اور بعض علماء کے نزدیک حکم اَحفظ کے لئے ہے۔

تشریح

کسی حدیث کو مرسلاً اور متصلاً روایت کرنے کا حکم

قوله: إذا روى بعض الثقات الخ

چوتھی فرع: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بعض ثقہ اور اہلِ ضبط راوی ایک حدیث کو مرسلاً روایت کریں اور بعض اس کو متصلاً روایت کریں، یا بعض اس کو موقوفاً روایت کریں اور بعض اسے مرفوعاً روایت کریں، اور تیسری صورت یہ ہے کہ راوی خود ایک وقت میں ایک حدیث کو موقوفاً یا مرسلاً روایت کرے، پھر دوسرے وقت میں اسی حدیث کو مرفوعاً یا متصلاً روایت کرے، تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ اس سلسلے میں مصنفؒ نے چار مذاہب بیان فرمائے ہیں:

پہلا مذہب

پہلا مذہب حضراتِ فقہاء اور علماءِ اصولیین اور حضراتِ محدّثین کا ہے وہ

فرماتے ہیں کہ جس راوی نے موصولاً یا مرفوعاً حدیث روایت کی ہے، اس کو ترجیح ہوگی اور اسکے مقابل موقوفاً یا مرسلاً مروی روایات غیر راجح ہوں گی، کیونکہ موصولاً یا مرفوعاً والی روایات میں ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہوتی ہے، اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے۔

دوسرا مذہب

دوسرا مذہب اکثر محدثین کا ہے کہ مرسلاً یا موقوفاً والی روایات کو ترجیح ہوگی، کیونکہ یہ ادنیٰ ہے اور ادنیٰ میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے۔

تیسرا مذہب

تیسرا مذہب بعض محدثینؒ کا ہے کہ ثقات کو دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر کس طرف ہیں؟ اگر اکثر ثقات اہلِ ضبط راویوں نے مثلاً حدیث کو موقوفاً یا مرسلاً روایت کیا اور بعض نے اسکو مرفوعاً یا متصلاً روایت کیا ہے تو اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے ہم موقوفاً یا مرسلاً روایت کو متصلاً یا مرفوعاً روایت پر ترجیح دیں گے، کیونکہ ''کثرت'' سے ان کو تقویت حاصل ہوگئی ہے اور اس کو موقوف کہیں گے۔

چوتھا مذہب

چوتھا مذہب بھی بعض محدثینؒ کا ہے کہ ان کے نزدیک احفظ کا اعتبار کریں گے، یعنی حافظ راوی تو دونوں طرف ہیں، لیکن ایک طرف راوی احفظ ہیں اور دوسری طرف غیر احفظ ہیں، تو جس طرف روایت کرنے والے راوی احفظ ہوں گے، ان کی روایت کو ترجیح ہوگی، خواہ وہ روایت موقوفاً یا مرسلاً ہی کیوں نہ ہو، مثلاً اگر احفظ راوی مرفوعاً روایت کریں تو انکی روایت کو ترجیح دیں گے اور اس حدیث کو مرفوع کہیں گے۔

ان چار مذاہب میں سب سے پہلا مذہب درست اور راجح ہے اور اس کی مثال یہ ہے:

مثال

"لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" (۱) حدیث ہے۔

یہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے مرسل ہے، اور دوسری سند کے اعتبار سے متصل ہے، مرسلاً روایت کرنے والے امام شعبہؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ ہیں، ان کی سند اس طرح ہے:

"شعبة و الثوری، عن أبی إسحاق، عن أبی بردة، عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلاً"

اور موصولاً روایت کرنے والے "اسرائیل بن یونسؒ" ہیں اور ان کی سند اس طرح ہے:

"إسرائیل بن یونس، عن جده أبی إسحاق، عن أبی بردة، عن ابی موسٰی متصلاً"

اس حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ یہ حدیث مرسل ہے یا موصول ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ موصول ہے، کیونکہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہوتی ہے، اگرچہ ارسال کرنے والے "شعبہؒ" اور "سفیان ثوریؒ" حفظ و اتقان میں پہاڑ ہیں اور بہت اُونچے مقام پر فائز ہیں، لیکن "اسرائیل بن یونس" بھی کچھ کم نہیں، وہ بھی ثقہ ہیں، اس لئے امام بخاریؒ نے "اسرائیل" کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے موصول کو مرسل پر ترجیح دی۔

---

(۱) ابوداؤد شریف، ج۲، ص ۲۲۹، باب فی الولی۔

متن

وَ عَلٰی هٰذَا لَوْ اَرْسَلَهٗ اَوْ وَقَفَهُ الْاَحْفَظُ لَایَقْدَحُ الْوَصْلُ وَالرَّفْعُ فِیْ عَدَالَةِ رَاوِیْهِ وَ قِیْلَ: یَقْدَحُ فِیْهِ وَصْلُهٗ مَا اَرْسَلَهُ الْحُفَّاظُ.

ترجمہ

اور اسی بناء پر اگر احفظ نے کسی حدیث کو مرسل یا موقوف روایت کیا تو وصل اور رفع سے راوی کی عدالت میں کوئی عیب پیدا نہ ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وصل کرنے سے اس حدیث کے راوی کی عدالت میں عیب آئے گا، جس کو حفاظ نے مرسلاً روایت کیا ہے۔

تشریح

کسی روایت کا متصلاً یا مرفوعاً احفظ کی روایت کے خلاف ہونے کا حکم

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اسی بناء پر اگر کسی حدیث کو بعض راوی متصلاً یا مرفوعاً روایت کریں، اور کوئی "احفظ" راوی اسے مرسلاً یا موقوفاً روایت کرے تو ایسی صورت میں "احفظ" راوی کی مخالفت کی وجہ سے اس راوی کی عدالت میں کوئی خلل اور فرق آئے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول

پہلا قول جمہورؒ کا ہے کہ اس سے متصلاً روایت کرنے والے راویوں کی

عدالت میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔

دوسرا قول

دوسرا قول بعض محدّثین کا ہے، ان کے نزدیک ان کی عدالت میں خلل آئے گا اور عیب پیدا ہو جائے گا، چنانچہ متصلاً روایت کرنے والا راوی غیر عادل ہو جائے گا، جسکی وجہ سے اس کی روایت غیر مقبول ہو جائے گی۔

ان میں سے پہلا قول درست ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّانِیْ عَشَرَ: اَلتَّدْلِیْسُ: وَ هُوَ قِسْمَانِ: اَلْأَوَّلُ: تَدْلِیْسُ الْإِسْنَادِ بِأَنْ یَرْوِیَ عَمَّنْ عَاصَرَهُ مَا لَمْ یَسْمَعْهُ مِنْهُ مُوْهِمًا سِمَاعَهُ قَائِلًا: قَالَ فُلَانٌ أَوْ عَنْ فُلَانٍ وَ نَحْوَهُ وَ رُبَمَا لَمْ یُسْقِطْ شَیْخَهُ وَ أَسْقَطَ غَیْرَهُ ضَعِیْفًا أَوْ صَغِیْرًا تَحْسِیْنًا لِلْحَدِیْثِ. اَلثَّانِیْ: تَدْلِیْسُ الشُّیُوْخِ بِأَنْ یُسَمِّیَ شَیْخَهُ أَوْ یُکَنِّیَهُ أَوْ یَنْسِبَهُ أَوْ یَصِفَهُ بِمَا لَا یُعْرَفُ.

ترجمہ

بارہویں قسم: تدلیس کے بیان میں ہے اور تدلیس کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم "تدلیس الاسناد" ہے، وہ یہ ہے کہ راوی اپنے معاصر سے ایسی حدیث روایت کرے جو اس نے اس سے نہ سنی

ہو، اور ظاہر یہ کرے کہ ان سے سنی ہے، مثلاً "قال فلان یا عن فلان" یا اس جیسے الفاظ کہے۔ اور کبھی اپنے شیخ کو ساقط نہیں کرتا، بلکہ اس کے غیر کو ساقط کرتا ہے، جبکہ وہ ضعیف ہو یا صغیر ہو، حدیث کی تحسین کے لئے۔ دوسری قسم "تدلیس الشیوخ" ہے اور وہ یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا ایسا نام یا ایسی کنیت، یا ایسی نسبت یا ایسی صفت ذکر کرے جس کے ساتھ وہ معروف نہ ہو۔

تشریح

بارہویں قسم تدلیس کے بیان میں ہے

قولہ: التدلیس.

تدلیس کے لغوی معنٰی

تدلیس باب تفعیل کا مصدر ہے جو دَلَس سے مشتق ہے، لغت میں اس کے دو معنی آتے ہیں، تاریکی کا روشنی کے ساتھ ملنا، اور ملنے کے بعد روشنی کو چھپا دینا، اور دوسرے معنٰی کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے "دلّس البائع عیب السلعة عن المشتری" بائع نے مشتری سے مبیع کا عیب چھپا لیا۔ اور اس حدیث کو تدلیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں راوی اپنے مروی عنہ کو چھپا لیتا ہے اور لوگوں کو تاریکی میں رکھتا ہے۔

تدلیس کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں تدلیس کہتے ہیں کہ سند کے ظاہر کو خوبصورت بنانے کے لئے راوی کا سند کے عیب کو چھپانا۔

قوله: وهو قسمان.

مصنفؒ نے فرمایا کہ تدلیس کی دو قسمیں ہیں: (اگرچہ مشہور تین قسمیں ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے) لیکن اس سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ جو راوی تدلیس کرتا ہے اسے مدلِّس کہتے ہیں اور اس کی روایت کو مدلَّس اور اس عمل کو تدلیس کہتے ہیں اور جس شیخ کو یا جس راوی کو مدلِّس چھپاتا ہے اسے "سقط" کہتے ہیں، اور تعلیق اور تدلیس میں فرق یہ ہے کہ تعلیق میں "سَقْط" واضح ہوتا ہے جبکہ تدلیس میں سَقْط مخفی ہوتا ہے۔

تدلیس کی تین قسمیں

اس تدلیس کی تین قسمیں مشہور ہیں:

(۱)۔۔۔۔ تدليس الاسناد

(۲)۔۔۔۔ تدليس التسوية

(۳)۔۔۔۔ تدليس الشيوخ

لیکن یہاں پر مصنفؒ نے تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ کو الگ الگ بیان فرمایا ہے اور تدلیس التسویۃ کو تدلیس الاسناد کے تحت ذکر فرمایا ہے، الگ سے بیان نہیں فرمایا، چنانچہ مصنفؒ نے بنیادی طور پر تدلیس کی دو ہی قسمیں ذکر کی ہیں۔

(۱)۔۔۔۔ تدليس الاسناد

تدلیس الاسناد اسے کہتے ہیں کہ راوی ایسے معاصر سے حدیث روایت کرے کہ اس نے اس معاصر سے وہ حدیث نہ سنی ہو اور ظاہر یہ کرے کہ اس نے سنی ہے، مثلاً "قال فلان" یا "عن فلان" کہہ کر روایت کرے، اسے تدلیس الاسناد

کہتے ہیں۔

(۲)....تدليس التسوية

"تدليس التسوية" اسے کہتے ہیں کہ کبھی راوی سند سے اپنے شیخ، یا شیخ الشیخ کو ساقط کردیتا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ وہ کم عمر ہے، یا پھر اس وجہ سے کہ وہ ضعیف ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سند عمدہ اور اچھی ہوجائے، یہ "تدليس التسوية" کہلاتی ہے۔

تدلیس کی یہ قسم سب سے بدترین ہے اور بالکل ناجائز ہے، اس "تدليس التسوية" کے سلسلے میں متقدمین میں سے "بقيه بن وليد" اور "وليد بن مسلم" مشہور ہیں۔

(۳)....تدليس الشيوخ

تدليس الشيوخ یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا ایسا نام یا کنیت یا نسبت یا صفت ذکر کرے جس کے ساتھ وہ مشہور نہ ہو، یعنی اگر نام کیساتھ مشہور ہو تو غیر مشہور کنیت ذکر کردے اور اگر کنیت یا صفت میں مشہور ہو تو غیر مشہور نام کیساتھ ذکر کردے۔

بہر حال اس کا راوی، شیخ کو ذکر تو کرتا ہے، ساقط نہیں کرتا، لیکن غیر معروف طریقے سے ذکر کرتا ہے، اس لئے اسے تدليس الشيوخ کہتے ہیں۔

متن

أَمَّا الْأَوَّلُ فَمَكْرُوْهٌ جِدًّا ذَمَّهُ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ، ثُمَّ قَالَ فَرِيْقٌ مِنْهُمْ: مَنْ عُرِفَ بِهِ صَارَ مَجْرُوْحًا مَرْدُوْدَ الرِّوَايَةِ وَ إِنْ بَيَّنَ السَّمَاعَ، وَ الصَّحِيْحُ التَّفْصِيْلُ فَمَا

رَوَاهُ بِلَفْظٍ مُحْتَمِلٍ لَمْ يُبَيِّنْ فِيْهِ السَّمَاعَ فَمُرْسَلٌ وَ مَا بَيَّنَهُ فِيْهِ كَـ سَمِعْتُ وَحَدَّثَنَا وَ أَخْبَرَنَا وَ شِبْهِهَا فَمَقْبُوْلٌ مُحْتَجٌّ بِهٖ. وَ فِيْ الصَّحِيْحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ هٰذَا الضَّرْبِ كَثِيْرٌ كَـ قَتَادَةَ وَ السُّفْيَانَيْنِ وَ غَيْرِهِمْ وَ هٰذَا الْحُكْمُ جَارٍ فِيْمَنْ دَلَّسَ مَرَّةً وَ مَا كَانَ فِيْ الصَّحِيْحَيْنِ وَ شِبْهِهِمَا عَنِ الْمُدَلِّسِيْنَ بِـ عَنْ مَحْمُوْلٌ عَلٰى ثُبُوْتِ السَّمَاعِ مِنْ جِهَةٍ أُخْرٰى.

ترجمہ

''بہر حال پہلی قسم (تدلیس الاسناد) بہت قبیح ہے، اکثر علماء نے اس کی مذمت کی ہے، پھر ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ جو شخص اس تدلیس کے ساتھ مشہور ہو جائے تو وہ مجروح ہوگا اور اس کی تمام روایات مردود ہوں گی، اگر چہ وہ سماع کو ظاہر کر دے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں ذرا تفصیل ہے کہ جو روایات مدلس نے مہمل لفظ کے ساتھ بیان کی ہوں اور ان میں سماع کو بھی ظاہر نہ کیا ہو تو ایسی روایات مرسل کی قبیل سے ہوں گی۔ اور جہاں اس نے سماع بیان کیا ہو جیسے ''سَمِعْتُ، حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا'' اور ان کے مشابہ دیگر الفاظ، وہ مقبول ہوگی اور اس سے استدلال کرنا درست ہوگا اور صحیحین وغیرہ میں ایسی روایات بکثرت موجود ہیں، جیسے '' قتادۃ، سفیان ابن عیینہ، سفیان ثوری'' وغیرہ۔ اور یہ حکم اس راوی

کے بارے میں ہوگا جس نے صرف ایک بار تدلیس کی ہو، اور صحیحین وغیرہ میں مدلسین کی جو "معنعن" روایات ہیں، وہ دوسرے طریق سے سماع کے ثبوت پر محمول ہیں۔"

تشریح

تدلیس الاسناد کا حکم

قولہ: أما الأول فمکروه جدا الخ.

یہاں سے تدلیس الاسناد کا حکم بیان فرمایا کہ یہ بہت قبیح ہے اور اکثر علماء نے اس کی مذمت بیان کی ہے۔

قولہ: ثم قال فریق منهم الخ

پھر اس تدلیس کے بارے میں حضرات محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ جو شخص تدلیس کرنے میں مشہور ہو جائے وہ مجروح ہو جائے گا اور اس کی روایت مطلقاً مردود ہوگی، اگرچہ وہ سماع کی صراحت کردے۔

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اس میں ذرا تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر وہ ایسے الفاظ سے روایت کرے، جس میں سماع کا صراحۃً ذکر نہیں ہے، یعنی اس میں سماع اور عدمِ سماع دونوں کا احتمال ہے تو ایسی صورت میں وہ روایت مرسل کی قبیل سے ہوگی۔

اور اگر روایت کو سماع کی صراحت کے ساتھ بیان کرے جیسے "سمعت، حدثنا، أخبرنا" وغیرہ تو پھر وہ مقبول اور قابلِ استدلال ہوگی۔

اور صحیحین میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے " قتادة، سفیان

ابن عیینہ اور سفیان ثوری" وغیرہ حضرات سے ایسا منقول ہے۔

اور یہ حکم اس راوی کے بارے میں ہوگا جس نے ایک مرتبہ تدلیس کی ہو، یعنی ایک مرتبہ تدلیس کرنے سے راوی مردود نہیں ہوگا۔

قولہ: وما كان في الصحيحين وشبههما من المدلسين الخ

یہاں سے مصنفؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔

اشکال

بخاری اور مسلم شریف اور وہ کتابیں جن کے مصنفینؒ نے اپنی کتابوں میں صرف صحیح احادیث بیان کرنے کا التزام کیا ہے، بسا اوقات ان جیسی کتابوں میں بھی مدلس کی حدیثِ معنعن مذکور ہوتی ہے، حالانکہ ان کتابوں کی احادیث قابلِ قبول ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیثِ مدلّس بھی قابلِ قبول ہونی چاہیے، جبکہ یہ درست نہیں۔

جواب

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن مدلّسین کے عنعنہ کا ذکر کیا ہے ان کا سماع دوسری سند سے ثابت ہوتا ہے اور جب مدلّس کا سماع ثابت ہوجائے تو پھر وہ روایت مقبول ہوتی ہے، لہٰذا اعتراض درست نہیں۔

متن

وَ أَمَّا الثَّانِيْ فَكَرَاهَتُهُ أَخَفُّ وَسَبَبُهَا تَوْعِيْرُ طَرِيْقِ مَعْرِفَتِهِ وَ تَخْتَلِفُ الْحَالُ فِيْ كَرَاهَتِهِ بِحَسْبِ غَرْضِهِ لِكَوْنِ الْمُغَيِّرِ اِسْمُهُ ضَعِيْفًا أَوْ صَغِيْرًا أَوْ

مُتَأَخِّرَ الْوَفَاةِ أَوْ سَمِعَ مِنْهُ كَثِيْرًا فَامْتَنَعَ مِنْ تَكْرَارِهِ عَلٰى صُوْرَةٍ وَ يَسْمَحُ الْخَطِيْبُ وَ غَيْرُهُ بِهٰذَا.

ترجمہ

بہر حال تدلیس کی دوسری قسم (تدلیس الشیوخ) کراہت میں پہلی قسم کی بہ نسبت کم ہے اور اس کی کراہت کی وجہ معروف طریقے کا اخفاء ہے، اور تدلیس کی غرض کے اعتبار سے اس کی کراہت کے احوال بھی مختلف ہیں، مثلاً جس کے نام کو بدلا گیا ہے، یا تو اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے، یا صغیر یا متأخر الوفاۃ ہونے کی وجہ سے یا یہ کہ اس سے بہت سی احادیث کا سماع کیا ہے تو ایک صورت پر اس کے تکرار سے بچنا چاہتا ہے اور خطیب بغدادیؒ اور دیگر محدثینؒ نے اس آخری صورت میں گنجائش رکھی ہے۔''

تشریح

تدلیس الشیوخ کا حکم

یہاں سے مصنفؒ تدلیس کی دوسری قسم تدلیس الشیوخ کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ اس کی کراہت بہ نسبت تدلیس الاسناد کے کم ہے۔

مصنفؒ نے مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا حکم اغراض کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مثلاً اگر شیخ کو غیر معروف طریقے سے اس لیے ذکر کرتا ہے کہ وہ ضعیف ہے، یا اس میں کوئی اور خرابی ہے، اس سے بچنے کیلئے غیر معروف طریقہ استعمال کرتا ہے، تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چلے تو ایسی صورت میں یہ تدلیس التسویۃ

کے حکم میں ہوگی۔

اور اگر کوئی اور غرض ہے، مثلاً وہ شیخ چھوٹا ہے، یا متأخر الوفاۃ ہے، یا یہ کہ اگر میں ایک ہی نام سے اس شیخ کی تمام روایات ذکر کروں گا تو لوگ پسند نہیں کریں گے، اس وجہ سے کبھی نام ذکر کرتا ہے، کبھی لقب، کبھی نسبت، کبھی کنیت اور کبھی صفت ذکر کرتا ہے، تو اسے مذموم نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ تزئین الاسناد کی قبیل سے ہوگی جو کہ جائز ہے، کیونکہ جب مختلف ناموں کے ساتھ ذکر کرے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ اس کی اسناد بہت زیادہ ہیں اور اُستادوں کا زیادہ ہونا انسان کے لیے موجب تحسین ہے، لہٰذا یہ تزئین الاسناد کی قبیل سے ہوگی، اسی لیے خطیب بغدادیؒ اور دوسرے محدثینؒ نے اس صورت کی گنجائش دی ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّالِثُ عَشَرَ: اَلشَّاذُّ هُوَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَ جَمَاعَةٍ مِنْ عُلَمَاءِ الْحِجَازِ: مَا رَوَى الثِّقَةُ مُخَالِفًا لِرِوَايَةِ النَّاسِ، لَا أَنْ يَّرْوِيَ مَا لَايَرْوِيْ غَيْرُهُ. قَالَ الْخَلِيْلِيُّ: وَ الَّذِيْ عَلَيْهِ حُفَّاظُ الْحَدِيْثِ أَنَّ الشَّاذَّ مَا لَيْسَ لَهُ إِلَّا إِسْنَادٌ وَاحِدٌ يَشُذُّ بِهِ ثِقَةٌ أَوْ غَيْرُهُ، فَمَا كَانَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ فَمَتْرُوْكٌ وَ مَا كَانَ عَنْ ثِقَةٍ تُوُقِّفَ فِيْهِ وَ لَا يُحْتَجُّ بِهِ. وَ قَالَ الْحَاكِمُ: هُوَ مَا انْفَرَدَ بِهِ ثِقَةٌ وَ لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ بِمُتَابِعٍ.

ترجمہ

تیرہویں قسم: شاذ کے بیان میں ہے، اور شاذ امام شافعیؒ اور علماءِ حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک وہ حدیث ہے جسے ثقہ راوی اکثر راویوں کی روایت کے خلاف روایت کرے، شاذ اس کو نہیں کہتے کہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہ کرتا ہو۔ امام خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ حفاظِ حدیث کا مذہب یہ ہے کہ جس کے لیے صرف ایک سند ہو، اور راوی اس کے ساتھ ثقہ یا غیر ثقہ متفرد ہو، پس اگر اس کا راوی غیر ثقہ ہو تو وہ متروک کہلائے گی اور اگر اس کا راوی ثقہ ہو تو اس میں توقف کیا جائے گا، اور اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ اور امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ شاذ وہ حدیث ہے جسکے ساتھ ثقہ متفرد ہو، اور اس کی کوئی اصل متابع نہ ہو۔"

تشریح

تیرہویں قسم، حدیثِ شاذ کا بیان

قوله: الشاذ الخ.

حدیث کی تیرہویں قسم، شاذ کے بیان میں ہے، اور شاذ شَذَّ يَشُذُّ شَذًّا سے مشتق ہے، جس کے معنٰی ہیں جدا ہونا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

"من شذ شذ فی النار"

ترجمہ

"جو اہلِ سنت والجماعت سے الگ ہوا، وہ جہنم میں اکیلا جائے گا۔"

یہ اس کے لغوی معنٰی ہیں، جہاں تک اصطلاحی تعریف کی بات ہے تو امام نوویؒ نے اس کی تین اصطلاحی تعریفات بیان فرمائی ہیں، ایک تعریف امام شافعیؒ اور علماءِ حجاز کی، دوسری تعریف حافظ امام ابو یعلی خلیلیؒ اور جبکہ تیسری تعریف امام حاکمؒ کی۔

ان تین تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف حافظ ابن حجرؒ نے "شرح نخبة الفکر" میں بیان فرمائی ہے اور وہ بہت بہترین تعریف ہے کہ:

"ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی روایت کے خلاف روایت کرے
تو اس ثقہ کی روایت کو شاذ اور اوثق کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔"

حدیثِ شاذ کی تین تعریفات

بہر حال امام نوویؒ نے جو تین تعریفات ذکر کی ہیں، وہ بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی تعریف

امام شافعیؒ اور علماءِ حجازؒ نے یہ تعریف بیان فرمائی ہے:

"ما رواه الثقة مخالفا لرواية الناس"

"کہ ثقہ محدثینؒ کی روایت کے خلاف روایت کرے، اسے شاذ کہتے ہیں۔"

اور شاذ اسے نہیں کہتے کہ وہ ایسی روایت کرے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اسے روایت نہ کرتا ہو، یعنی منفرد راوی کی روایت کو شاذ نہیں کہتے، بلکہ صرف "ما رواه الثقة مخالفًا لرواية الناس" کو شاذ کہتے ہیں۔

دوسری تعریف

دوسری تعریف حافظ ابو یعلی خلیلیؒ کی ہے شاذ وہ حدیث ہے جو صرف ایک سند

سے مروی ہو، اور راوی اپنے شیخ کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلا اور منفرد ہو، خواہ وہ شیخ ثقہ ہو یا غیر ثقہ، پھر اس کے بعد تفصیل ہے کہ اگر شیخ ثقہ ہے تو اس میں توقف کریں گے، اور اس سے استدلال نہیں کریں گے، اور اگر وہ شیخ غیر ثقہ ہے تو وہ حدیث متروک ہوگی۔

اس تعریف کے مطابق شاذ ہر حالت میں ناقابلِ استدلال ہے۔

تیسری تعریف

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ شاذ وہ حدیث ہے جو ثقہ سے مروی ہو، اور وہ ثقہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہو، اور اس کا کوئی متابع نہ ہو۔

متن

وَ مَا ذَكَرَاهُ مُشْكِلٌ بِأَفْرَادِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ كَحَدِيْثِ "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" وَ النَّهْيُ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا فِي الصَّحِيْحِ.

ترجمہ

اور جو تعریف ان دونوں حضرات (امام خلیلیؒ اور امام حاکمؒ) نے ذکر کی ہے، اسپر اشکال ہوتا ہے عادل وضابطِ افراد کیساتھ، مثلاً حدیث "إنما الأعمال بالنيات" اور حدیث "النهي عن بيع الولاء" اور اس کے علاوہ احادیث جو صحیح میں ہیں۔"

تشریح

امام خلیلیؒ اور امام حاکمؒ کی تعریف پر اعتراض

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں تعریفوں میں دو تعریفیں جو امام خلیلیؒ اور امام حاکمؒ نے کی ہیں، ان پر اعتراض ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ ثقہ راوی اگر کسی روایت میں اکیلا اور متفرد ہو تو وہ حدیث شاذ ہوگی اور حدیثِ شاذ مطلقاً ضعیف اور مردود ہوتی ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث عادل اور ضابط وحافظ راویوں سے تفرد کے ساتھ مروی ہیں، لیکن وہ صحیح ہیں، جیسے حدیث "إنما الأعمال بالنيات" جو بخاری شریف میں ہے، اس میں چار جگہ تفرد ہے:

(۱)....ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

(۲)....پھر حضرت عمرؓ سے روایت کرنے میں حضرت علقمہ اکیلے ہیں۔

(۳)....پھر ان سے روایت کرنے میں محمد بن ابراہیم متفرد ہیں۔

(۴)....اور محمد بن ابراہیم سے روایت کرنے میں یحیی بن سعید اکیلے ہیں۔

ان تمام تفردات کے باوجود یہ حدیث صحیح ہے، شاذ اور مردود نہیں، لہٰذا انکی تعریفات درست نہیں، کیونکہ یہاں آکر وہ ٹوٹ گئیں۔

اسی طرح دوسری حدیث "النهي عن بيع الولاء" ہے، اس کی سند میں حضرت عبداللہ بن دینارؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، اس کے باوجود یہ حدیث صحیح ہے، حالانکہ ان دونوں تعریفوں کے مطابق ان حدیثوں کو شاذ ہونا چاہیے تھا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں تعریفیں درست نہیں۔

متن

فَالصَّحِيْحُ التَّفْصِيْلُ: فَإِنْ كَانَ بِتَفَرُّدِهٖ مُخَالِفًا أَحْفَظَ مِنْهُ وَ أَضْبَطَ كَانَ شَاذًّا مَرْدُوْدًا وَ إِنْ لَّمْ يُخَالِفِ الرَّاوِىْ فَإِنْ كَانَ عَدْلاً حَافِظًا مَوْثُوْقًا بِضَبْطِهٖ كَانَ تَفَرُّدُهٗ صَحِيْحًا وَإِنْ لَّمْ يُوَثَّقْ بِضَبْطِهٖ وَ لَمْ يَبْعُدْ عَنْ دَرَجَةِ الضَّابِطِ كَانَ حَسَنًا وَ إِنْ بَعُدَ كَانَ شَاذًّا مُنْكَرًا مَرْدُوْدًا. وَ الْحَاصِلُ أَنَّ الشَّاذَّ الْمَرْدُوْدَ: هُوَ الْفَرْدُ الْمُخَالِفُ، وَ الْفَرْدُ الْمُخَالِفُ لَيْسَ فِيْ رُوَاتِهٖ مِنَ الثِّقَةِ وَ الضَّبْطِ مَا يَجْبُرُ بِهٖ تَفَرُّدُهٗ.

ترجمہ

لہٰذا صحیح قول کے مطابق اس میں تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر تفرد کرنے والا راوی اپنے سے احفظ اور اضبط راوی کی مخالفت کر رہا ہو تو اس کی روایت شاذ اور مردود ہوگی، اور اگر وہ مخالفت نہ کرتا ہو پھر اگر وہ حافظ اور عادل ہو اور اسکے ضبط پر اعتماد ہو تو پھر اس کی متفرد حدیث صحیح ہوگی، اور اگر اس کے ضبط پر اعتماد نہ ہو اور وہ ضابط کے درجے سے کم تر نہ ہو تو پھر اسکی روایت کردہ حدیث حسن ہوگی۔

اور اگر وہ درجۂ ضابط سے بھی کم تر ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث شاذ ومنکر اور مردود ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حدیثِ شاذ، مردود وہ حدیثِ فرد ہے جسمیں مخالفت کی گئی ہو، اور وہ حدیث فرد ہے کہ اسکے راوی میں ثقاہت اور ضبط کا وہ مرتبہ نہ ہو جو اس کے راوی کے تفرد کے نقصان کی تلافی کردے۔

تشریح

حدیثِ شاذ کی صحیح تعریف

قولہ: فالصحيح التفصيل الخ

مصنفؒ نے ماقبل میں فرمایا تھا کہ امام خلیلیؒ اور امام حاکمؒ کی ذکر کردہ تعریف درست نہیں، لیکن اس پر سوال ہوتا ہے کہ اگر یہ تعریفیں درست نہیں تو پھر صحیح تعریف کون سی ہے؟ خود ہی فرمایا کہ صحیح قول میں تفصیل ہے۔

حدیثِ شاذ کی تفصیلی تعریف

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر راوی اکیلا روایت کر رہا ہے، اور اس روایت کرنے میں وہ احفظ اور اضبط کی مخالفت کرتا ہے، تو ایسی صورت میں بلاشبہ وہ حدیث شاذ، مردود اور ناقابلِ اعتبار ہوگی۔

اور اگر وہ کسی احفظ واضبط کی مخالفت نہیں کرتا تو اس میں تین صورتیں ہیں:

(۱)....خود عادل بھی ہے، حافظ بھی ہے اور حفظ واتقان اس کو بدرجۂ اتم حاصل ہے تو ایسی صورت میں اسکے تمام تفردات صحیح تسلیم کیے جائینگے۔ جیسا کہ حدیث "إنما الأعمال بالنيات" میں گزرا۔

(۲)....اگر اسکا ضبط اعلیٰ درجے کا نہ ہو، بلکہ کم درجے کا ہو، یعنی ضبط کا درجہ

کچھ نہ کچھ اسے حاصل ہو تو پھر اسکے تفردات حسن کے درجے میں ہونگے۔

(۳).... اگر اس کو ضبط واتقان کا کوئی درجہ ہی حاصل نہ ہو تو پھر بلاشبہ اسکے تفردات شاذ اور مردود ہوں گے، یا اسی طرح وہ راوی جس کے اندر ثقاہت اور ضبط کی کمی ہے، اور اس کی تلافی نہ ہو رہی ہو تو یہ بھی اس تیسری صورت میں داخل ہو کر مردود ہوگی۔

حدیثِ شاذ کی اقسام

حدیثِ شاذ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ....شذوذ فی السند

(۲) ....شذوذ فی المتن

(۱) ....شذوذ فی السند

شذوذ فی السند کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت حدیث کو موصولاً روایت کرتی ہو اور ایک فرد اسے مرسلاً روایت کرتا ہو، اسکی مثال جیسا کہ ایک حدیث ہے کہ:

"عن إبن عباس رضی اللّٰه عنه أن رجلا توفی علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولم یدع وارثا إلا مولی هو أعتقه"

کہ "ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انتقال کر گئے اور انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام کے علاوہ کوئی وارث نہیں چھوڑا۔"

اس حدیث کو ابن عیینہؒ نے موصولاً روایت کیا ہے اور ابن جریجؒ نے ان کی

متابعت کی ہے اور حماد بن زیدؒ نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے، اس لئے امام ابوحاتم ؒ نے ابن عیینہؒ کے طریق کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ حماد اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں ابن جریج اور ابن عیینہ اوثق ہیں، لہٰذا ارسال والی روایت شاذ اور موصولاً والی روایت محفوظ ہوگی۔

(۲).... شذوذ فی المتن

شذوذ فی المتن کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت حدیث کو فعلی نقل کرتی ہے اور ایک شخص اسے قولی نقل کرتا ہے یا اس کے برعکس، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے:

"عبد الواحد بن زیاد عن أعمش عن أبی صالح عن أبی هریرة مرفوعًا: إذا صلّی أحدکم رکعتی الفجر فلیضطجع عن یمینه." (۱)

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعتیں پڑھ لے تو وہ اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔

اس روایت میں اعمش کے تمام اصحاب نے اس حدیث کو فعلاً نقل کیا ہے، اور اعمش کے تمام اصحاب میں صرف عبدالواحد بن زیاد نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے، لہٰذا عبدالواحد بن زیاد کا قول نقل کرنا شاذ ہوگا اور بقیہ تمام اصحاب کا فعل نقل کرنا محفوظ ہوگا۔

---

(۱) ابوداؤد شریف، ج ۲ ص ۲۱، حدیث نمبر ۱۲۶۱، باب الاضطجاع بعدها ای الفجر۔

حدیثِ شاذ کا حکم

یہ ضعیف، مردود اور نا قابلِ استدلال ہے، اس پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الرَّابِعُ عَشَرَ: مَعْرِفَةُ الْمُنْكَرِ، قَالَ الْحَافِظُ الْبَرْدِيْجِيُّ: هُوَ الْفَرْدُ الَّذِیْ لَا يُعْرَفُ مَتْنُهٗ عَنْ غَيْرِ رَاوِيْهِ وَكَذَا أَطْلَقَهٗ كَثِيْرُوْنَ. وَ الصَّوَابُ فِيْهِ التَّفْصِيْلُ الَّذِیْ تَقَدَّمَ فِی الشَّاذِ.

ترجمہ

چودہویں قسم: حدیثِ منکر کے پہچاننے کے بیان میں ہے، حافظ بردیجیؒ فرماتے ہیں: حدیثِ منکر وہ حدیثِ فرد ہے جس کا متن اس کے راوی کے علاوہ کسی اور سے معروف نہ ہو، اور اسی طرح بہت سے دوسرے حفاظ نے بھی مطلقاً ذکر کیا ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو شاذ کے ذیل میں گزری۔

تشریح

چودہویں قسم، حدیثِ منکر کا بیان

قوله: معرفة المنكر

منکر کے لغوی معنٰی

مُنْکَر اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنٰی ہیں: انکار کیا ہوا۔

حدیثِ منکر کی اصطلاحی تعریف

حافظ ابن حجرؒ نے ''شرح نخبۃ الفکر'' میں اس کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے کہ:

''اگر ضعیف راوی ثقہ راوی کی روایت کے خلاف روایت کرے تو اس ضعیف راوی کی روایت کو منکر اور ثقہ راوی کی روایت کو معروف کہتے ہیں۔''

ایک اور تعریف بھی کی گئی ہے کہ:

''حدیثِ منکر وہ حدیث ہے جس کا راوی فحشِ غلط یا کثرتِ غفلت یا فسق کے اندر مبتلا ہو۔''

یہ تعریف حافظ ابن حجرؒ نے بعض علماء سے نقل کی ہے۔

یہاں پر امام نوویؒ نے حافظ ابوبکر بردیجیؒ کے حوالے سے تعریف بیان کی ہے کہ ''الفرد الذی لایعرف متنه عن غیر راویه'' حدیثِ منکر وہ حدیثِ فرد ہے جس کا متن اس کے راوی کے علاوہ کسی اور سے معروف نہ ہو، یعنی وہ اکیلا اس حدیث کے روایت کرنے میں مشہور ہو۔

حدیثِ منکر کا حکم

اس تعریف کے مطابق حدیثِ منکر مطلقاً ناقابلِ استدلال ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو کہ شاذ کے بیان میں گزری۔

حدیثِ منکر کی مثال

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤدؒ نے ''باب الخاتم یکون فیه ذکر الله عزّ و جلّ یدخل به الخلاء'' کے تحت ذکر کی ہے کہ:

"همام بن يحيى عن ابن جريج عن الزهرى عن أنس قال كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا دخل الخلاء وضع خاتمه".(۱)

اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا"هذا حديث منكر"اوراس کے منکر ہونے کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(۱)....یہ حدیث معروف حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ معروف حدیث یہ ہے:

"عن ابن جريج عن زياد بن سعد عن الزهرى عن أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم ألقاه"

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے متن میں تبدیلی ہوئی ہے، لہٰذا یہ حدیث منکر ہوگی۔

(۲)....اس کی سند میں ایک راوی ساقط ہے، کیونکہ دوسری سند میں ابن جریج کے بعد زیاد بن سعد ہے اور مذکورہ سند میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(۳)....ہمام اس حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

متن

اَلنَّوْعُ الْخَامِسُ عَشَرَ: مَعْرِفَةُ الْاِعْتِبَارِ وَ الْمُتَابَعَاتِ وَ الشَّوَاهِدِ، هٰذِهِ أُمُوْرٌ يَتَعَرَّفُوْنَ بِهَا حَالَ الْحَدِيْثِ، فَمِثَالُ الْاِعْتِبَارِ: أَنْ يَرْوِيَ حَمَّادٌ مَثَلاً حَدِيْثًا لَايُتَابَعُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

(۱) ابوداؤد شریف، ج ۱ ص ۳، باب الخاتم يكون فيه ذكر الله عزوجل يدخل به الخلاء.

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَيُنْظَرُ هَلْ رَوَاهُ ثِقَةٌ غَيْرُ أَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ فَإِنْ لَّمْ يُوْجَدْ فَغَيْرُ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ إِلَّا صَحَابِيٌّ غَيْرُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَأَيُّ ذٰلِكَ وُجِدَ عُلِمَ أَنَّ لَهُ أَصْلاً يَرْجِعُ إِلَيْهِ وَ إِلَّا فَلاَ.

ترجمہ

پندرہویں قسم: اعتبار، متابع اور شواھد کے پہچاننے کے بیان میں ہے، یہ ایسے امور ہیں جن سے علماءِ حدیث حدیث کے احوال کو پہچانتے ہیں۔ اعتبار کی مثال یہ ہے کہ حماد کوئی ایسی حدیث روایت کریں جس کا کوئی متابع نہ ہو مثلاً "عن أیوب عن ابن سیرین عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" تو اس میں غور کیا جائے گا کہ اس حدیث کو ایوب کے علاوہ کسی اور ثقہ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے، اگر نہ ملے (تو پھر غور کیا جائے گا کہ) ابن سیرین کے علاوہ کسی اور راوی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اگر یہ بھی نہ ملے (تو پھر غور کیا جائے گا کہ) ابو ہریرہؓ کے علاوہ کسی اور صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، ان میں سے جو بھی صورت مل جائے تو معلوم ہوگا کہ اس حدیث کے لئے اصل ہے جس کی طرف یہ لوٹ رہی ہے، اور اگر نہ ملے تو معلوم ہوگا کہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہے۔

تشریح

اعتبار، متابع، شاهد کی معرفت

قوله: معرفة الاعتبار الخ

پندرہویں قسم اعتبار، متابعات اور شواھد کے پہچاننے کے بیان میں ہے۔

یہاں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مصنفؒ نے ان تینوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ تینوں الگ الگ قسمیں ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں، کیونکہ ''شرح نخبۃ الفکر'' میں ہے کہ یہ تینوں الگ الگ قسمیں نہیں، بلکہ ان میں اصلی اور مستقل قسمیں صرف دو ہیں ''متابع'' اور ''شواھد'' رہا ''اعتبار'' تو وہ ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، یعنی اس کے ذریعے متابع اور شاھد کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد اعتبار کی تفصیل ملاحظہ ہو!

اعتبار

یہ ''اعتبر یعتبر اعتبارا'' سے باب افتعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی یہ ہیں کہ چند امور میں اس طرح غور وفکر کرنا کہ اس کے ذریعے اسی جنس کی دیگر اشیاء کا حکم معلوم ہو جائے۔

اصطلاحی تعریف

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ راوی جو اپنی روایت میں اکیلا اور متفرد ہو اس کی روایت کے لیے متعدد طرق تلاش کرنا، تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس روایت کرنے میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہے یا نہیں؟ اس کو اعتبار کہتے ہیں۔

اعتبار کی مثال

مثلاً حماد کوئی حدیث "عن أیوب عن ابن سیرین عن أبی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" سے روایت کریں، اور اس طریق سے کوئی اور ان کی متابعت نہ کرتا ہو تو غور کیا جائے گا کہ اس حدیث کو ایوب کے علاوہ کسی اور ثقہ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس حدیث کو ابن سیرین کے علاوہ کسی اور نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ کسی اور صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے یا نہیں؟ اگر مل جائے تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث کے لئے اصل ہے، ورنہ نہیں۔

اس غور وفکر، تلاش اور ڈھونڈنے کو "اعتبار" کہتے ہیں۔

متن

وَ الْمُتَابَعَةُ أَنْ يَرْوِيَهُ عَنْ أَيُّوْب غَيْرُ حَمَّادٍ وَ هِيَ الْمُتَابَعَةُ التَّامَّةُ أَوْ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ غَيْرُ أَيُّوْب أَوْ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ غَيْرُ ابْنِ سِيْرِيْنَ أَوْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَحَابِيٌّ آخَرُ فَكُلُّ هٰذَا يُسَمّٰى مُتَابَعَةً، وَ تَقْصُرُ عَنِ الْأُوْلٰى بِحَسْبِ بُعْدِهَا مِنْهَا وَ تُسَمَّى الْمُتَابَعَةُ شَاهِدًا. وَ الشَّاهِدُ أَنْ يُرْوٰى حَدِيْثٌ آخَرُ بِمَعْنَاهُ وَ لَايُسَمّٰى هٰذَا مُتَابَعَةً، وَ إِذَا قَالُوْا فِيْ مِثْلِهٖ

تَفَرَّدَ بِهِ أَبُوْهُرَيْرَةَ أَوِ ابْنُ سِيْرِيْنَ أَوْ أَيُّوْبُ أَوْ حَمَّادٌ كَانَ مُشْعِرًا بِانْتِفَاءِ الْمُتَابَعَاتِ وَ إِذَا انْتَفَتْ مَعَ الشَّوَاهِدِ فَحُكْمُهُ مَا سَبَقَ فِيْ الشَّاذِّ وَ يَدْخُلُ فِيْ الْمُتَابَعَةِ وَ الْاِسْتِشْهَادِ رِوَايَةُ مَنْ لَايُحْتَجُّ بِهِ وَ لَايَصْلُحُ لِذٰلِكَ كُلُّ ضَعِيْفٍ.

ترجمہ

اور متابعت یہ ہے کہ حدیث کو حماد کے علاوہ کوئی اور راوی ایوب سے اس کو روایت کرے، یا ابو ہریرۃؓ سے ابن سیرین کے علاوہ کوئی اور روایت کرے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اور صحابی روایت کرے، ان میں سے ہر ایک صورت متابعت کہلاتی ہے، اور متابع اپنی دوری کے اعتبار سے پہلی قسم کی متابعت سے قاصر ہے، اور متابع کو شاھد بھی کہا جاتا ہے۔ اور شاھد یہ ہے کہ کوئی اور حدیث پہلی حدیث کے ہم معنی روایت کی جائے اور اس کو متابعت نہیں کہا جاتا اور اس جیسی صورت میں جب کہا جائے کہ ابو ہریرۃؓ یا ابن سیرین یا ایوب یا حماد اس حدیث کے ساتھ متفرد ہیں تو یہ متابعت کے منتفی ہونے کی طرف اشارہ ہوگا اور جب متابعات مع شواہد منتفی ہو جائیں تو اس کا حکم وہ ہے جو شاذ میں گزرا۔ اور متابعات اور شواہد میں ان لوگوں کی روایت بھی داخل ہے جنکی روایت کیساتھ استدلال نہیں کیا جاتا، لیکن ہر ضعیف بھی اس کام کیلئے مناسب نہیں۔

تشریح

متابعت کے لغوی معنٰی

قوله: والمتابعة الخ

یہاں سے مصنفؒ متابعت کی تشریح بیان فرمارہے ہیں، متابعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنٰی ہیں: پیروی کرنا۔

اصطلاحی تعریف

''متابعت'' کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متابع وہ حدیث ہے جس کا راوی حدیثِ فرد کے راویوں کے ساتھ لفظاً اورمعناً یا صرف معناً صحابی سے روایت کرنے میں شریک ہوجائے۔

شاہد اور شواہد کے لغوی معنٰی

''شواھد'' شاہد کی جمع ہے جو شہادت سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنٰی گواہ کے آتے ہیں اور جس طرح شاھد، مدعی کے دعوی کو تقویت پہنچاتا ہے، اسی طرح یہ شاھد بھی اصل حدیث کو تقویت پہنچاتا ہے، اس لئے اسے ''شاھد'' کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف

''شاھد'' کی اصطلاحی تعریف متابع کی طرح ہے کہ:

شاہد وہ حدیث ہے کہ جسکا راوی حدیثِ فرد کے ساتھ لفظاً اور معناً یا صرف معناً کسی دوسرے صحابی سے روایت کرنے میں شریک ہوجائے۔

ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ متابع میں موافقت ایک صحابی میں ہوتی ہے اور شاھد میں متن ایک ہوتا ہے لیکن دونوں سندوں میں صحابی الگ الگ ہوتے ہیں۔

متابعت کی دو قسمیں

متابعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)..... متابعتِ تامّہ

(۲)..... متابعتِ قاصرہ

(۱)..... متابعتِ تامّہ

ایک سند کا راوی دوسری سند کے راوی کے ساتھ شیخ میں موافقت کرے تو اسے متابعتِ تامّہ کہتے ہیں۔

(۲)..... متابعتِ قاصرہ

اور اگر شیخ الشیخ یا اس سے اوپر کسی اور کے ساتھ موافقت کرے تو اسے متابعتِ قاصرہ کہتے ہیں۔

متابع اور شاھد کی مثال

اس کی مثال مصنفؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مثلاً حماد، ایوب سے روایت کرتے ہیں اور ایوب، حماد کے شیخ ہیں، اب حماد کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ایوب سے روایت کرے تو یہ متابعتِ تامّہ ہے، کیونکہ ایوب شیخ ہیں اور شیخ میں موافقت کرنے کو متابعتِ تامّہ کہتے ہیں، اور اگر وہ راوی ایوب کو چھوڑ کر ابن سیرین سے روایت کرے تو چونکہ ابنِ سیرین حماد کے شیخ الشیخ ہیں، اس لئے یہ متابعت قاصرہ ہوگی۔

اور اگر راوی حضرت ابو ہریرۃؓ کے علاوہ کسی اور صحابی سے روایت کرے تو یہ "شاھد" ہوگا۔

متابع اور شاہد کی دوسری مثال

اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الأم میں ذکر کی ہے:

عن مالک عن ابن دینار عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: الشهر تسع و عشرون. فلا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروه . فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين .

ترجمہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن ہوتا ہے، سو چاند دیکھے بغیر روزہ مت رکھو، اور چاند دیکھے بغیر افطار بھی مت کرو، سو اگر چاند چھپ جائے، پھر تیس کی گنتی کرو۔

اس حدیث کے متعلق لوگوں نے کہا کہ امام شافعیؒ اس حدیث کیساتھ متفرد ہیں۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ کے تفرد کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس لئے اس حدیث کے لئے متابع موجود ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حدیث ذکر کی ہے:

عبداللہ بن مسلمة القعنبیؒ عن مالک عن ابن دینار عن ابن عمر .

اور یہی متن ذکر کیا ہے۔ (بخاری شریف ج۱:ص۲۵۶)

یہ اس کا متابع تام ہے، اس لئے شیخ میں موافقت ہوئی ہے۔

اور اس کا متابعِ قاصر صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے:

عاصم بن محمدعن ابیه محمد بن زید عن جده عبدالله

بن عمر

کا طریق ہے اور اس کا ایک متابع قاصر بخاری شریف میں یحیی بن بکیر کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی موجود ہے۔ (بخاری ج ا ص ۲۵۵)

اس لئے کہ موفقت صرف ابن عمر میں ہوئی ہے۔

اس میں شاہد کی بھی مثال ہو سکتی ہے، اس لئے کہ اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے: محمد بن حنین عن ابن عباس مرفوعاً اور یہی الفاظ ذکر کئے ہیں، لہذا اختلافِ صحابی کی بناء پر اس صورت میں یہ شاہد کی مثال ہوگی۔

متن

اَلنَّوْعُ السَّادِسُ عَشَرَ: مَعْرِفَةُ زِيَادَاتِ الثِّقَاتِ وَ حُكْمُهَا وَ هُوَ فَنٌّ لَطِيْفٌ تَسْتَحْسِنُ الْعِنَايَةُ بِهٖ وَ مَذْهَبُ الْجَمْهُوْرِ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَ الْمُحَدِّثِيْنَ قَبُوْلُهَا مُطْلَقًا، وَ قِيْلَ: لَاتُقْبَلُ مُطْلَقًا، وَ قِيْلَ: تُقْبَلُ إِنْ زَادَهَا غَيْرُ مَنْ رَوَاهُ نَاقِصًا وَ لَاتُقْبَلُ مِمَّنْ رَوَاهُ مَرَّةً نَاقِصًا.

ترجمہ

سولھویں قسم: زیاداتِ ثقات اور اس کا حکم پہچاننے کے بیان میں ہے، اور یہ ایک فنِ لطیف ہے، اس لئے اس کی طرف خوب اچھے طریقے سے توجہ دینی چاہئے۔ اور جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب یہ ہیکہ ثقات کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً مقبول

نہیں ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ زیادتی ایسے راوی نے کی ہو جو ناقص روایت نہ کرتا ہو تو پھر اس کی زیادتی مقبول ہے، اور اگر یہ زیادتی ایسے راوی کی طرف سے ہو جس نے پہلے ایک مرتبہ ناقص روایت کی ہو (اور پھر زیادتی کی ہو) تو اب اسکی یہ زیادتی مقبول نہیں ہوگی۔"

تشریح

سولہویں قسم، زیادتِ ثقات کا حکم

قولہ: معرفة زيادات الثقات الخ

سولہویں قسم، ثقات کی زیادتی اور اس کا حکم پہچاننے کے بیان میں ہے۔

زیادات، زيادة کی جمع ہے بمعنٰی زیادتی، اور ثقات، ثقة کی جمع ہے بمعنٰی قابلِ اعتماد شخص، زیاداتِ ثقات کے سمجھنے سے پہلے ثقہ کی تعریف سمجھنا ضروری ہے۔

ثقہ راوی کسے کہتے ہیں؟

ثقہ اس راوی کو کہتے ہیں جو عادل اور ضابط ہو۔

عادل ہونیکا مطلب یہ ہے کہ پانچ اسبابِ طعن جو عدل سے متعلق ہیں، ان میں سے کوئی بھی طعن اس میں نہ پایا جاتا ہو، وہ پانچ اسبابِ طعن یہ ہیں:

(۱) .... کذب

(۲) .... تہمتِ کذب

(۳) .... فسق

(۴) .... جہالت

(۵) .... بدعت

اگر یہ اسباب نہ ہوں تو راوی عادل شمار ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک طعن بھی پایا جائے گا تو راوی عادل نہ ہوگا۔

اور ضابط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانچ اسبابِ طعن جو ضبط سے متعلق ہیں، ان میں سے کوئی بھی طعن اس میں نہ پایا جاتا ہو، وہ پانچ اسبابِ طعن یہ ہیں:

(۱)۔۔۔۔ فحشِ غلط

(۲)۔۔۔۔ کثرتِ غفلت

(۳)۔۔۔۔ وہم

(۴)۔۔۔۔ مخالفتِ ثقات

(۵)۔۔۔۔ سوءِ حفظ

جو راوی ان پانچ اسبابِ طعن سے پاک ہوگا وہ ضابط شمار ہوگا، اور جو راوی ان دس اسبابِ طعن سے پاک ہوگا وہ عادل وضابط ثقہ ہوگا، اس ثقہ کی جمع ثقات ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔

اب اصطلاح میں زیاداتِ ثقات کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی حدیث میں ایک ایسے جملے کی زیادتی کرے جس کو دوسرے راوی ذکر نہ کرتے ہوں، اب یہ زیادتی کبھی سند میں ہوتی ہے اور کبھی متن میں ہوتی ہے۔

''زیادۃ فی المتن''

متن میں زیادتی تو یہی ہے کہ متن کے اندر راوی کوئی ایسا جملہ یا کوئی ایسا کلمہ بڑھا دے جسے دوسرے ذکر نہ کرتے ہوں۔

''زیادۃ فی السند''

سند میں زیادتی یہ ہے کہ ایک سند مرسلاً منقول ہے، وہ اسے موصولاً ذکر

کر دے، یا پھر موقوفاً کو مرفوعاً ذکر کر دے۔

زیاداتِ ثقات کا حکم اور تین اقوال

اب اس زیادتی کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں مصنفؒ نے تین قول ذکر فرمائے ہیں، اور آخر میں امام نوویؒ خود علامہ ابن الصلاحؒ کے حوالے سے تفصیلی حکم بیان فرمائیں گے۔

پہلا قول

جمہورِ فقہاء اور محدثینؒ کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے۔

دوسرا قول

مطلقاً غیر مقبول ہے، مصنفؒ نے اسے "قیل" کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

تیسرا قول

تیسرے قول میں ذرا تفصیل ہے کہ اگر راوی نے حدیث کو اوّلاً بغیر زیادتی کے بیان کیا، پھر اسی راوی نے اسی حدیث کو زیادتی کے ساتھ بیان کیا ہو تو اس کی یہ زیادتی غیر مقبول ہوگی۔

اور اگر ایک راوی نے حدیث کو بغیر زیادتی کے بیان کیا ہو، پھر کسی دوسرے راوی نے اس حدیث کو زیادتی کے ساتھ بیان کیا ہو تو اس صورت میں یہ زیادتی مقبول ہوگی۔

متن

وَ قَسَّمَهُ الشَّيْخُ أَقْسَامًا، أَحَدُهَا: زِيَادَةٌ تُخَالِفُ الثِّقَاتِ فَتُرَدُّ كَمَا سَبَقَ، الثَّانِي: مَا لَامُخَالَفَةَ فِيهِ كَتَفَرُّدِ ثِقَةٍ بِجُمْلَةِ حَدِيْثٍ فَيُقْبَلُ قَالَ الْخَطِيْبُ: بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ. اَلثَّالِثُ: زِيَادَةُ لَفْظِهِ فِيْ حَدِيْثٍ لَّمْ يَذْكُرْهَا سَائِرُ رُوَاتِهِ كَحَدِيْثِ "جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا" اِنْفَرَدَ أَبُوْ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ: "وَ تُرْبَتُهَا طَهُوْرًا" فَهٰذَا يُشْبِهُ الْأَوَّلَ وَ يُشْبِهُ الثَّانِيَ، كَذَا قَالَ الشَّيْخُ، وَ الصَّحِيْحُ قُبُوْلُ هٰذَا الْأَخِيْرِ وَ مَثَّلَهُ الشَّيْخُ أَيْضًا بِزِيَادَةِ مَالِكٍ فِيْ حَدِيْثِ الْفِطْرَةِ "مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" وَ لَايَصِحُّ التَّمْثِيْلُ بِهِ فَقَدْ وَافَقَ مَالِكًا عُمَرُ بْنُ نَافِعٍ وَ الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ.

ترجمہ

اور شیخ ابن الصلاحؒ نے زیاداتِ ثقات کی مختلف اقسام ذکر کی ہیں:
پہلی قسم وہ زیادتی ہے جو ثقات کے خلاف ہو، یہ مردود ہے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ دوسری قسم وہ زیادتی ہے جس میں ثقات کی مخالفت

نہ ہو، جیسے کسی ثقہ راوی کا حدیث کے کسی جملہ کے ساتھ متفرد ہونا، اسے بھی قبول کیا جائے گا، اور خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں کہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ کسی حدیث میں ایسے لفظ کی زیادتی ہو جسے کسی بھی راوی نے ذکر نہ کیا ہو جیسے حدیث "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" اس میں امام ابو مالک اشجعیؒ "وتربتها طهورا" کے الفاظ نقل کرنے میں متفرد ہیں۔ یہ پہلی اور دوسری قسم کے مشابہ ہے جیسا کہ شیخ ابن الصلاحؒ نے فرمایا اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ آخری قسم بھی مقبول ہے۔ اور اسی طرح شیخ ابن الصلاحؒ نے "حديثِ فطرة" میں امام مالکؒ کی زیادتی "من المسلمين" کی مثال بھی پیش کی ہے، لیکن اس کے ساتھ مثال پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ عمر بن نافع اور ضحاک بن عثمان دونوں نے "من المسلمين" کی زیادتی میں امام مالکؒ کی موافقت کی ہے۔

تشریح

زیادتِ ثقات کی تین قسمیں

قوله: وقسمه الشيخ أقساما الخ

علامہ ابن الصلاحؒ نے تفصیل کے ساتھ زیادتی ثقات کی تین قسمیں مع حکم بیان فرمائی ہیں:

پہلی قسم

ثقہ راوی کوئی زیادتی بیان کرے اور اس زیادتی کے بیان کرنے میں وہ اوثق

راوی کی مخالفت کرے تو ایسی زیادتی مردود ہے اور شاذ کے حکم میں ہے۔

دوسری قسم

راوی زیادتی تو بیان کرتا ہے، لیکن اس زیادتی کے بیان کرنے میں وہ ثقات کی مخالفت نہیں کرتا، جیسے کوئی ثقہ راوی حدیث کے کسی جملے کے بیان کرنے میں متفرد ہو، تو ایسی زیادتی کو قبول کرلیا جائے گا اور خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

تیسری قسم

تیسری قسم یہ ہے کہ ثقہ راوی کسی حدیث میں ایسے جملے کی زیادتی بیان کرے جسے کسی بھی راوی نے ذکر نہ کیا ہو، یہ قسم مذکورہ بالا دو قسموں کے درمیان درمیان ہے۔

چنانچہ شیخؒ نے فرمایا کہ ایسی زیادتی من وجہ قسم اول کے مشابہ ہے جو مردود ہے اور من وجہ قسم ثانی کے مشابہ ہے جو مقبول ہے، یعنی من وجہ اس میں ثقات کی مخالفت ہے اور من وجہ مخالفت نہیں ہے، اب اس کا حکم کیا ہے؟ تو علامہ ابن الصلاحؒ نے اس کے حکم کے سلسلے میں سکوت اختیار فرمایا ہے، البتہ امام نوویؒ نے اس کا حکم بیان فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس زیادتی کو بھی قبول کرلیا جائے گا۔

پہلی مثال

اس تیسری قسم کی زیادت کی مثال وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم شریف میں موجود ہے کہ:

"أبو مالک أشجعي عن ربعي عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جعلت لي الأرض كلها مسجدا

وجعلت تربتها طهورا". (۱)

اس حدیث میں "تربتهاطهورا" کا لفظ امام ابومالک اشجعیؒ نے بڑھایا ہے اور وہ اس میں متفرد ہیں، کیونکہ دوسرے تمام رواۃ نے اس جملے کو یوں روایت کیا ہے "وجعلت لنا الأرض طهورا" اب یہ امام ابومالک اشجعیؒ کی ذکر کردہ زیادتی من وجہ قسمِ اوّل کے مشابہ ہے، کیونکہ اس زیادتی کو ثقات نے بیان نہیں کیا ہے، لہٰذا مخالفتِ ثقات پائی گئی۔

اور من وجہ ثانی کے مشابہ ہے کیونکہ یہ زیادتی دوسرے رواۃ کی روایت کے ہم معنیٰ ہے، لہٰذا یہ زیادتی مقبول ہوگی۔

دوسری مثال

امام نوویؒ نے علامہ ابن الصلاحؒ کے حوالے سے اس تیسری قسم کی زیادتی کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔

قوله: ومثله الشيخ أيضا بزيادة مالك

وہ یہ ہے کہ امام مالکؒ نے "صدقة الفطر" والی حدیث میں "من المسلمين" کی قید کا اضافہ کیا ہے اور وہ اس میں متفرد ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ اس زیادتی کے ساتھ متفرد ہیں اور عبیداللہ اور ایوب نے اس حدیث کو نافع عن ابن عمر سے "من المسلمين" کی زیادتی کے بغیر روایت کیا ہے۔

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن الصلاحؒ کی یہ مثال پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ اس کے متابعات موجود ہیں، مثلاً عمر بن نافع اس حدیث کو بخاری شریف میں "من المسلمين" کی قید کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور مسلم شریف میں ضحاک بن عثمان بھی "من المسلمين" کی قید کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تو

(۱) صحيح البخاري، ج ۱، ص ۱٦٨، باب قول النبي ﷺ جعلت لنا الارض.

پھر تفرد نہ رہا، حالانکہ بحث تفرد کی چل رہی ہے، لہٰذا یہ مثال پیش کرنا درست نہیں ہے۔

ثقہ کی اوثق کی مخالفت کرنے کی مثال

موسی بن علی بن رباح عن ابیه عن عقبة ابن عامر

اسکا متن تمام محدثین اسطرح نقل کرتے ہیں:

"یوم النحر و ایام التشریق ایام عیدنا اهل الاسلام وهی ایام اکل و شرب."

اس حدیث میں موسیٰ بن علی بن رباح عن ابیہ عن عقبہ بن عامرؓ نے یوم عرفۃ کی زیادت ذکر کی ہے اور یہ منافی ہے دوسرے ثقات کے۔ دوسرے ثقات نے یوم عرفۃ کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے یہ زیادتی مردود ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ یومِ عرفۃ کا روزہ رکھنا ثوابہ ہے، اس پر سب علماء کا اتفاق ہے، اس لئے اس زیادۃ کا حکم شاذ و مردود کا ہے۔

ثقہ کی اس زیادۃ کی مثال جس میں مخالفت نہ ہو

علی بن مسهر عن الاعمش عن ابی رزین و ابی صالح عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقه ولیغسله سبع مرار.

ترجمہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس شے کو گرادے اور اس برتن کو سات مرتبہ دھوڈالے۔ (مسلم شریف: ج:۱ ص:۱۳۷)

تو اس حدیث میں علی ابن مسھر نے فلیرقه کا جملہ بڑھایا ہے تو اس میں بظاہر کوئی منافات نہیں ہے، لہٰذا اس کو قبول کیا جائے گا۔

متن

اَلنَّوْعُ السَّابِعُ عَشَرَ: مَعْرِفَةُ الْأَفْرَادِ، تَقَدَّمَ مَقْصُوْدُهُ. فَالْفَرْدُ قِسْمَانِ: أَحَدُهُمَا: فَرْدٌ عَنْ جَمِيْعِ الرُّوَاةِ وَ تَقَدَّمَ، وَ الثَّانِيْ: بِالنِّسْبَةِ إِلٰى جِهَةٍ كَقَوْلِهِمْ: تَفَرَّدَ بِهٖ أَهْلُ مَكَّةَ وَالشَّامِ أَوْ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ أَوْ أَهْلُ الْبَصْرَةِ عَنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَ شِبْهِهٖ وَ لَايَقْتَضِيْ هٰذَا ضَعْفَهٗ إِلَّا أَنْ يُرَادَ بِتَفَرُّدِ الْمَدَنِيِّيْنَ اِنْفِرَادُ وَاحِدٍ عَنْهُمْ، فَيَكُوْنُ كَالْقِسْمِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ

سترہویں قسم معرفة الافراد کے بیان میں ہے، جس کا مقصود پہلے گزر گیا، بہرحال فرد کی دو قسمیں ہیں: (۱)... جس میں تمام راویوں کے اعتبار سے تفرد ہو، اس کی تفصیل گزر گئی۔ (۲)... جس میں ایک جہت کے اعتبار سے تفرد ہو، جیسے محدثینؒ کا قول ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ شام اس حدیث کیساتھ متفرد ہیں، یا کہا جائے کہ فلاں، فلاں سے روایت کرنے میں متفرد ہے یا اہلِ بصرہ، اہلِ کوفہ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، یا اس کے مشابہ کچھ اور کہیں اور اس قسم کا تفردِ حدیث کے ضعف کا تقاضا نہیں کرتا، الّا یہ کہ اگر شہروں کے

تفرد سے (مجازاً) کسی ایک راوی کا تفرد مراد لیا جائے تو پھر یہ قسم اوّل کی طرح ہوگی۔

تشریح

سترہویں قسم، حدیثِ فرد کا بیان

قوله: معرفة الأفراد

فرد کا لغوی معنیٰ

افراد، فرد کی جمع ہے، اس کے لغوی معنیٰ تنہا اور غریب کے آتے ہیں۔

حدیثِ فرد کی اصطلاحی تعریف

حدیثِ فرد وہ حدیث ہے جس کا روایت کرنے والا کسی طبقہ میں ایک رہ جائے، اب خواہ تمام طبقات میں ایک ہی ہو یا کسی ایک طبقہ میں ایک راوی رہ گیا ہو۔

مصنفؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا حکم پہلے گزر گیا ہے، واضح ہو کہ وہاں مستقل حکم تو نہیں گزرا، لیکن اس کے کچھ مسائل گزرے ہیں۔

تمام طبقات میں حدیثِ فرد کی مثال

اس کی مثال "إنما الأعمال بالنيات"(۱) والی حدیث ہے، جس میں تمام طبقاتِ سند میں تفرد ہے، چنانچہ اس میں چار تفردات ہیں، اس طرح ہر طبقہ میں تفرد پایا جا رہا ہے، اگرچہ بعد میں یہ حدیث مشہور ہوگئی ہے۔

اس حدیث کے تفردات یہ ہیں کہ یحییٰ بن سعید، ابراہیم تیمی سے، وہ علقمہ بن وقاص لیثی سے، وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عمر فاروقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج ۱، ص ۲، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ

کسی خاص جہت سے تفرد کی مثالیں

قوله: والثاني: بالنسبة إلى جهة الخ

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی خاص جہت اور نسبت کے اعتبار سے حدیث میں تفرد ہو، جیسے حضراتِ محدثینؒ کا قول ہے "تفرد به أهل مكة والشام" کہ اہلِ مکہ اور ملکِ شام والے اس حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہیں، یا کہا جائے کہ فلاں، فلاں سے روایت کرنے میں متفرد ہے، یا پھر کہا جائے کہ اہلِ بصرہ، اہلِ کوفہ سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کسی خاص علاقے یا شہر کے لحاظ سے تفرد پایا جائے تو یہ تفرد اس حدیث کے ضعف کا تقاضا نہیں کرتا اور اس بناء پر وہ حدیث ضعیف نہیں ہوگی، کیونکہ یہ چیزیں اسبابِ ضعف میں سے نہیں ہیں۔

خاص علاقہ کے لحاظ سے تفرد کی مثالیں

(۱)....خاص علاقے کے اعتبار سے تفرد پائے جانے کی مثال یہ ہے:

"ما رواه أبو داؤد عن أبي الوليد الطيالسي عن همام عن قتادة عن أبي نضرة عن أبي سعيد قال: أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب و ما تيسر". (۱)

اس حدیث کے بارے میں امام حاکمؒ نے فرمایا کہ اس میں "أمرنا" کا لفظ اہلِ بصرہ کا تفرد ہے، یعنی اوّل سند سے لے کر آخر سند تک تمام راوی بصری ہیں۔

(۲)....اسی طرح دوسری حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، عبداللہ بن زید

(۱) ابوداؤد شریف، ج ۱ ص ۲۱۶، حدیث نمبر ۸۱۸، باب من ترک القراءة في صلاته...الخ

سے آپ ﷺ کے وضوء کے بیان میں روایت کی گئی ہے۔ ومسح راسه بماء غير فضل يديه اس کے متعلق امام حاکم عبداللہؒ نے فرمایا کہ اس میں اہلِ مصر متفرد ہیں۔

(۲)....اسی طرح:

ضحاک بن عثمان عن ابی النضر عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عائشةؓ قالت صلى النبی ﷺ علی سهيل بن بيضآء واخيه فی المسجد.

امام حاکم ابوعبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ اہلِ مدینہ متفرد ہیں۔

قوله: إلا أن يراد بتفرد المدنيين الخ

اگر کسی خاص علاقے یا شہر کے اعتبار سے تفرد ہو تو حدیث ضعیف نہیں ہوتی، البتہ اگر علاقے کا ذکر کیا جائے اور اس سے ایک شخص کی روایت مراد لی جائے، تو پھر اس میں فردیت پائی جائے گی اور یہ قسمِ اول میں داخل ہو کر ضعیف ہوگی۔

خاص علاقہ بول کر ایک شخص مراد لینے کی مثال

اور اگر خاص علاقے کی طرف نسبت کرکے اس سے ایک شخص کی روایت مراد لی جائے تو اس کی مثال یہ ہے:

"أبو ذكير عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كلوا البلح بالتمر".

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اہلِ بصرہ، اہلِ مدینہ سے متفرد ہیں، لیکن اہلِ بصرہ کے تفرد سے مراد "ابو ذکیر بصری" کا تفرد ہے، لہٰذا یہ حدیث قسمِ اول میں داخل ہو کر ضعیف ہوگی۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّامِنَ عَشَرَ: اَلْمُعَلَّلُ: وَ يُسَمُّوْنَهُ الْمَعْلُوْلَ، وَ هُوَ لَحْنٌ وَ هٰذَا النَّوْعُ مِنْ أَجَلِّهَا يَتَمَكَّنُ مِنْهُ أَهْلُ الْحِفْظِ وَ الْخِبْرَةِ وَ الْفَهْمِ الثَّاقِبِ. وَ الْعِلَّةُ عِبَارَةٌ عَنْ سَبَبٍ غَامِضٍ قَادِحٍ مَعَ أَنَّ الظَّاهِرَ السَّلَامَةُ مِنْهُ وَ يَتَطَرَّقُ إِلَى الْإِسْنَادِ الْجَامِعِ شُرُوْطَ الصِّحَّةِ ظَاهِرًا وَ تُدْرَكُ بِتَفَرُّدِ الرَّاوِيْ وَ بِمُخَالَفَةِ غَيْرِهِ لَهُ مَعَ قَرَائِنَ تُنَبِّهُ الْعَارِفَ عَلٰى وَهْمٍ بِإِرْسَالٍ أَوْ وَقْفٍ أَوْ دُخُوْلِ حَدِيْثٍ فِيْ حَدِيْثٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ بِحَيْثُ يَغْلِبُ عَلٰى ظَنِّهِ فَيَحْكُمُ بِعَدَمِ صِحَّةِ الْحَدِيْثِ أَوْ يَتَرَدَّدُ فَيَتَوَقَّفُ.

ترجمہ

اٹھارہویں قسم حدیثِ معلّل کے بیان میں ہے اور محدثینؒ اسے معلول بھی کہتے ہیں، لیکن یہ درست نہیں ہے، اور یہ نوع علومِ حدیث کی انواع میں سے سب سے اشرف ہے، صرف اہلِ حفظ، مہارتِ تامہ اور روشن فہم والے حضرات اس میں بحث کر سکتے ہیں۔

اور علّت اس مخفی سبب کا نام ہے جو حدیث میں عیب پیدا کر دے جبکہ حدیث ظاہراً اس عیب سے محفوظ ہوتی ہے، اور علّت اس سند میں پائی جاتی ہے جو ظاہراً صحت کی شرائط کی جامع ہو۔ اور علّت کا ادراک راوی کے تفرد کے ساتھ ہوتا ہے، اور کسی دوسرے راوی کی اس راوی سے مخالفت کے ساتھ جب کہ کچھ قرائن موجود ہوں، جو عارف کو، راوی کے وہم پر متنبہ کر دیں، ارسال یا وقف کے ساتھ، یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کرنے کے ساتھ، یا اس کے علاوہ کسی اور سبب کیساتھ، اس طور پر کہ محدث کو ظنِ غالب ہو جائے اور وہ حدیث کی عدمِ صحت کا حکم لگا دے، یا اس کو تردد ہو جائے تو وہ اس حدیث پر حکم لگانے میں توقف کرے۔"

تشریح

اٹھارہویں قسم، حدیثِ معلّل

قوله: المعلل ويسمونه المعلول الخ

اٹھارہویں قسم حدیثِ معلّل کے بیان میں ہے، اس نوع میں مصنفؒ نے حدیثِ معلّل کے متعلق چند باتیں بیان فرمائی ہیں، مثلاً حدیثِ معلّل کا نام، اسکی اہمیت، اسکی تعریف اور اسکے پہچاننے کا طریقہ، اور آخر میں فرمایا کہ حدیثِ معلّل کی مشہور تعریف تو یہ ہے کہ جس میں کوئی علتِ خفیہ قادحہ پائی جائے، لیکن بعض محدثینؒ اس کا اُن اسبابِ طعن پر بھی اطلاق کرتے ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے روایت میں ضعف آجاتا ہے، یہ حدیثِ معلّل کی پوری بحث کا خلاصہ ہے۔

معلّل کے لغوی معنیٰ

معلّل باب افعال سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اَعَلَّ، یُعِلُّ، اِعْلَالاً فھو مُعَلٌّ، لیکن حضراتِ محدّثینؒ اس کو مُعَلَّلٌ استعمال کرتے ہیں جو فصیح لغت کے خلاف ہے، اس کے لغوی معنیٰ ہیں: وہ چیز جس میں علّت پائی جائے۔

بعض محدّثینؒ حدیث معلّل کو معلول بھی کہتے ہیں، لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں، کیونکہ ثلاثی مزید فیہ باب افعال سے اسمِ مفعول "مَفْعُوْلٌ" کے وزن پر نہیں آتا ہے، لہٰذا اسے معلول کہنا صحیح نہیں۔

حدیثِ معلّل کی اہمیت

قولہ: وھذا النوع من أجلھا الخ

حدیثِ معلّل انواعِ حدیث میں سے سب سے مشکل، دقیق اور غامض قسم ہے، کیونکہ اس میں حدیث کا ظاہر تو صحیح ہوتا ہے لیکن اندر کوئی خرابی پوشیدہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ معلّل بن جاتی ہے، لہٰذا اس بناء پر اس کا پہچاننا انتہائی مشکل کام ہے، صرف وہی حضرات اس کو جان سکتے ہیں جن میں حفظِ کامل اور مہارتِ تامہ ہو اور فہمِ ثاقب کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، جیسے علامہ ابن مدینی، امام احمد، امام بخاری، امام ابوحاتم اور امام دارقطنی رحمہم اللہ وغیرہ، لیکن متاخرین میں سے کوئی اس مقام تک نہ پہنچ سکا۔

چنانچہ حضرات محدّثینؒ نے فرمایا کہ حدیثِ معلّل کو پہچاننا ایسا ہے جیسے صرّاف کھرے کھوٹے سکوں کو پہچاننے کی مہارت رکھتا ہے، کہ بعض دفعہ صرف آواز سے پہچان لیتا ہے، اور آج کل سکے کم اور نوٹ زیادہ ہیں، تو آج بھی ایسے ماہر صرّاف موجود ہیں جو نوٹ کو ہاتھ لگائے بغیر صرف دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ اصلی

ہے یا نقلی، ایسے ہی جو حضراتِ محدثینؒ ماہر ہوتے ہیں وہ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ حدیث معلّل ہے۔

چنانچہ امام ابوزرعہؒ نے ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ حدیثِ معلّل کو کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ اس پر آپ کے پاس کیا دلیل ہوتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ مجھ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھیں میں اس کی علّت ذکر کروں گا، پھر تم امام ابن وارّۃ کے پاس جاؤ، وہ بھی اسکی علّت ذکر کریں گے، پھر تم امام ابوحاتمؒ کے پاس جاؤ تو وہ بھی اس کو معلول کہیں گے۔

اگر ہم تینوں کا جواب ایک ہو تو آپ اس علم کی حقیقت کو تسلیم کر لینا، اور اگر ہم تینوں کا جواب مختلف ہو تو تم سمجھ لینا کہ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی طرف سے بات کی ہے۔

چنانچہ اس شخص نے یہ کام کیا اور تینوں حضرات کے جوابات کو متحد پایا، پھر اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی یہ وہبی علم ہے جو من جانب اللّٰہ عطا ہوتا ہے۔

حدیثِ معلّل کی اصطلاحی تعریف

قوله: والعلة عبارة عن سبب غامض الخ

حدیثِ معلل وہ حدیث ہے جس کے اندر ایسی علّتِ خفیہ پائی جاتی ہو جو اس کی صحت میں مانع ہو اور اس میں عیب پیدا کر دے، اگرچہ ظاہراً وہ حدیث اس عیب سے محفوظ ہو۔

گویا اصطلاح میں جس علت کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس کی دو شرطیں ہیں:

(۱)....وہ علّت پوشیدہ ہو، ظاہر نہ ہو۔

(۲)....وہ علّت قادحہ ہو یعنی عیب پیدا کرنے والی ہو۔

اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوگی تو وہ اصطلاحی علت نہیں ہوگی اور ایسی حدیث معلل نہ ہوگی۔

علتِ حدیث جاننے کی صورتیں

قولہ: وتدرک بتفرد الراوی الخ

علتِ خفیہ کا علم اور ادراک کیسے ہوگا؟ اس سلسلے میں مصنفؒ نے چند صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱)....راوی کے متفرد ہونے سے علتِ حدیث کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۲)....راوی کے اپنے غیر کی مخالفت کرنے سے پتہ چل جاتا ہے۔

(۳)....مختلف قرائن سے بھی معلوم ہو جاتا ہے، جو عارف کو متنبہ کر دیتے ہیں کہ راوی سے وہم ہوا ہے مثلاً:

(۱)....اس حدیث کو کسی نے موصولاً روایت کیا ہوگا تو اس میں ارسال کا پتہ چل جائے گا۔

(۲)....یا کسی نے حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہوگا تو اس کا موقوف ہونا معلوم ہو جائے گا کہ موقوفاً روایت کرنے میں راوی کو وہم ہوا ہے جس کی بناء پر اس میں علتِ خفیہ ہے۔

(۳)....یا راوی نے ایک حدیث کے اندر دوسری حدیث داخل کر دی ہو تو اس سے بھی علت کا ادراک ہو جائے گا یا اسکے علاوہ کسی اور سبب سے۔

اسطرح اگر عارف کو علت کے پائے جانے کا غالب گمان ہو جائے تو عارف اس کے صحیح نہ ہونے کا حکم لگائے گا، اور اگر ظنِ غالب نہ ہو بلکہ تردد ہو کہ اس میں علت ہے یا نہیں؟ تو پھر وہ اس میں حکم لگانے میں توقف کریگا۔

متن

وَ الطَّرِيْقُ إِلٰى مَعْرِفَتِهٖ جَمْعُ طُرُقِ الْحَدِيْثِ وَ النَّظْرُ فِيْ اِخْتِلَافِ رُوَاتِهٖ وَ ضَبْطِهِمْ وَ إِتْقَانِهِمْ وَ كَثُرَ التَّعْلِيْلُ بِالْإِرْسَالِ بِأَنْ يَّكُوْنَ رَاوِيْهِ أَقْوٰى مِمَّنْ وَصَلَ وَ تَقَعُ الْعِلَّةُ فِي الْإِسْنَادِ وَ هُوَ الْأَكْثَرُ، وَ قَدْ تَقَعُ فِي الْمَتَنِ وَ مَا وَقَعَ فِي الْإِسْنَادِ قَدْ يُقْدَحُ فِيْهِ وَ فِي الْمَتَنِ كَالْإِرْسَالِ وَ الْوَقْفِ. وَ قَدْ يُقْدَحُ فِي الْإِسْنَادِ خَاصَّةً وَ يَكُوْنُ الْمَتَنُ صَحِيْحًا كَحَدِيْثِ يَعْلَى بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ حديث "اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ" غَلَطَ يَعْلٰى إِنَّمَا هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ.

ترجمہ

اور علت کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق کو جمع کریں، پھر اس کے راویوں کے اختلاف اور ضبط واتقان میں غور کریں اور اکثر اوقات تعلیل ارسال کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس طور پر کہ ارسال کرنے والے راوی وصل کرنے والے راویوں سے

قوی ہوں۔ اور زیادہ تر علت سند میں واقع ہوتی ہے، اور کبھی کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے۔ اور جب علت سند میں ہو تو وہ کبھی سند اور متن دونوں میں عیب پیدا کر دیتی ہے جیسے وہ علت جو ارسال اور وقف کی وجہ سے ہو، اور کبھی کبھی صرف سند میں عیب پیدا کرتی ہے، متن صحیح اور معروف رہتا ہے جیسے "یعلی بن عبید" کی حدیث جو انہوں نے "ثوری عن عمرو بن دینار" سے روایت کی ہے "البیعان بالخیار" یہاں یعلی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ راوی "عبداللہ بن دینار" ہیں۔

تشریح

علت پہچاننے کا طریقہ

قولہ: والطریق إلی معرفتہ الخ

مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر حدیث معلل کو پہچاننا مقصود ہو اور اس سے بحث کرنا مقصود ہو تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تمام سندوں کو جمع کیا جائے اور راویوں کے اختلاف میں غور کیا جائے اگر اختلاف ہو تو ان کے ضبط و اتقان میں بھی غور کیا جائے تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ حدیث میں علت ہے یا نہیں ہے، اگر ہے تو حدیث معلل ہو کر مردود ہوگی، اگر نہیں ہے تو وہ غیر معلل ہوگی۔

علت اکثر سند میں اور کبھی متن میں ہوتی ہے

قولہ: وکثرۃ التعلیل بالإرسال

مصنفؒ نے فرمایا کہ اکثر یعنی زیادہ تر علت سند میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی متن

میں ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سند اور متن دونوں میں ہوتی ہے۔

تو گویا علت کے پائے جانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱)....علة فی السند، سند میں علت ہو۔

(۲).... علة فی المتن، متن میں علت ہو۔

(۳).... علة فی السند و المتن، سند اور متن دونوں میں علت ہو۔

علة فی السند کی مثال

امام نوویؒ نے اس کی یہ مثال ذکر کی ہے:

"یعلی بن عبید عن ثوری عن عمرو بن دینار : البیعان بالخیار"(۱)

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ "یعلی بن عبیدؒ" کی غلطی ہے، کیونکہ انہوں نے "عبداللّٰہ بن دینار" کی جگہ "عمرو بن دینار" ذکر کیا ہے، حالانکہ صحیح "عبداللّٰہ بن دینار" ہے۔

یہ سند میں غلطی ضرور ہے لیکن چونکہ دونوں راوی عبداللہ بن دینار اور عمرو بن دینار ثقہ ہیں، اس لیے متن اپنی جگہ بالکل درست رہے گا اور "یعلی بن عبیدؒ" کی غلطی کی وجہ سے متن میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، لیکن اسطرح سند بیان کرنا صحیح نہیں۔

علة فی المتن کی مثال

علة فی المتن کی مثال وہ حدیث ہے جس میں امام مسلمؒ متفرد ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

"من روایة الولید بن مسلم، حدثنا الأوزاعی، عن قتادة أنه

(۱) مسلم شریف، ج۲، ص۶، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین

كتب إليه يخبره عن أنس بن مالك أنه حدثه قال:
صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم و أبي بكر و
عمر و عثمان فكانوا يستفتحون القراء ة بالحمد لله
رب العلمين و لايذكرون بسم الله الرحمٰن الرحيم في
اول قراء ة ولافي آخرها". (۱)

اس حدیث میں "ولایذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا جملہ معلول ہے، کیونکہ اس میں ولید بن مسلم امام اوزاعی سے روایت کرنے میں متفرد ہیں اور اسی طرح اس حدیث کو امام مالکؒ نے دوسرے طریق سے ذکر کیا ہے اور اس میں "خلف النبی" نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث معلّل ہوگی۔

اور علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث میں (۹) علل بیان فرمائی ہیں۔

علة فی السند والمتن کی مثال

سند میں علّت ہو تو اس کی وجہ سے متن میں بھی علّت ہوتی ہے، جیسے تعلیل بالارسال اور تعلیل بالوقف کہ بعض ایک حدیث کو مرسلاً یا موقوفاً ذکر کریں اور بعض اسے مرفوعاً یا متصلاً ذکر کریں۔

اس میں راوی کے وہم کی وجہ سے جو علّت پائی جاتی ہے، وہ سند اور متن دونوں میں مضر ہوتی ہے۔

متن

وَ قَدْ تُطْلَقُ الْعِلَّةُ عَلٰى غَيْرِ مُقْتَضَاهَا الَّذِيْ قَدَّمْنَاهُ،
كَكِذْبِ الرَّاوِيْ وَ غَفْلَتِهٖ وَ سُوْءِ حِفْظِهٖ وَ نَحْوِهَا

(۱) مسند احمد بن حنبل، ج۳، ص ۲۲۳، حدیث نمبر ۱۳۳۶۱۔

مِنْ أَسْبَابِ ضَعْفِ الْحَدِيْثِ وَ سَمَّى التِّرْمِذِيُّ النَّسْخَ عِلَّةً، وَ أَطْلَقَ بَعْضُهُمُ الْعِلَّةَ عَلٰى مُخَالَفَةٍ لَاتَقْدَحُ كَإِرْسَالِ مَا وَصَلَهُ الثِّقَةُ الضَّابِطُ حَتّٰى قَالَ: مِنَ الصَّحِيْحِ صَحِيْحٌ مُعَلَّلٌ كَمَا قِيْلَ: مِنْهُ صَحِيْحٌ شَاذٌّ.

ترجمہ

اور کبھی کبھی علّت کا اطلاق اپنے مقتضٰی کے علاوہ پر ہوتا ہے جسے ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے۔ جیسے راوی کا جھوٹا ہونا، اس کا غافل ہونا، اس کے حافظے کا خراب ہونا وغیرہ وغیرہ، جو حدیث کے اسبابِ ضعف میں سے ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے "نسخ" کا نام علّت رکھا ہے اور بعض نے علّت کا اطلاق اس مخالفت پر کیا ہے جو حدیث میں عیب پیدانہیں کرتی، جیسے مثلاً ایسی حدیث کو مرسلاً روایت کرنا جسے ثقہ حافظ نے موصولاً روایت کیا ہو۔ یہاں تک کہ بعض نے کہا: حدیثِ صحیح میں صحیح معلّل بھی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ صحیح میں صحیح شاذ بھی ہے۔

تشریح

علّت کے اطلاق کی مزید تین صورتیں

قولہ: تطلق العلة علی غیر مقتضاها الخ

ماقبل میں بیان ہوا تھا کہ علّت سے مراد یہاں وہ علّت ہے جو پوشیدہ ہو اور

حدیث کی صحت میں مخل ہو، یعنی علتِ خفیہ قادحہ اگرچہ ظاہر میں وہ حدیث صحیح سالم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس کا مقتضیٰ ہے۔

اب یہاں سے مصنفؒ بیان فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھی علت کا اطلاق اس کے مقتضیٰ کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے اور اس کے تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱)..... پہلی صورت

علتِ خفیہ کے بجائے کبھی علتِ ظاہرہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے راوی کا جھوٹا ہونا، بکثرت غلطیاں کرنا، غافل ہونا، اس کے حافظے کا خراب ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسبابِ طعن میں سے وہ اسباب ہیں جو ظاہر ہیں اور ان کی وجہ سے روایت مردود ہو جاتی ہے، لیکن بعض حضرات ان اسباب کی بناء پر بھی حدیث کو معلل کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ اسبابِ خفی نہیں ہیں۔

(۲)..... دوسری صورت

امام ترمذیؒ نے نسخ پر بھی علت کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ نسخ اور چیز ہے اور علتِ خفیہ دوسری چیز ہے۔

(۳)..... تیسری صورت

بعض حضرات نے غیر قادِحہ پر بھی علت کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ حدیث معلل کہتے ہی اسے ہیں جس میں علتِ قادحہ پائی جائے، لیکن بعض حضرات نے علتِ غیر قادحہ پر بھی علت کا اطلاق کیا ہے، جیسے مثلاً ایک حدیث کو ثقات موصولاً روایت کرتے ہوں اور ایک یا دو آدمی اسے مرسلاً روایت کریں، اب اس میں علت تو ہے لیکن قادحہ نہیں جو حدیث کی صحت سے مانع ہو اور اس میں عیب پیدا کر دے۔

لیکن بعض حضرات اس کو بھی حدیثِ معلّل کہہ دیتے ہیں، اس وجہ سے بعض علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ صحیح میں بھی صحیح معلّل ہوتی ہے جیسا کہ صحیح میں صحیح شاذ ہوتی ہے، حالانکہ صحیح اور شاذ، صحیح اور معلّل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

متن

اَلنَّوْعُ التَّاسِعَ عَشَرَ: اَلْمُضْطَرِبُ: هُوَ الَّذِیْ یُرْوٰی عَلٰی أَوْجُهٍ مُخْتَلِفَةٍ مُتَقَارِبَةٍ فَإِنْ رُجِحَتْ إِحْدَی الرِّوَایَتَیْنِ بِحِفْظِ رَاوِیْهَا أَوْ کَثْرَةِ صُحْبَتِهِ الْمَرْوِیَّ عَنْهُ أَوْ غَیْرِ ذٰلِکَ. فَالْحُکْمُ لِلرَّاجِحَةِ وَ لَا یَکُوْنُ مُضْطَرِبًا وَ الْاِضْطِرَابُ یُوْجِبُ ضَعْفَ الْحَدِیْثِ لِإِشْعَارِهِ بِعَدَمِ الضَّبْطِ وَ یَقَعُ فِیْ الْإِسْنَادِ تَارَةً وَ فِیْ الْمَتْنِ أُخْرٰی وَ فِیْهِمَا مِنْ رَاوٍ أَوْ جَمَاعَةٍ.

ترجمہ

انیسویں قسم حدیثِ مضطرب کے بیان میں ہے۔ حدیثِ مضطرب وہ حدیث ہے جو ایسی متعدد مختلف سندوں سے مروی ہو جو درجے میں تقریباً برابر ہوں، پس اگر ایک روایت کو دوسری روایت پر راوی کے حافظے، یا مروی عنہ کے ساتھ اس کی کثرت ملازمت، یا کسی اور وجہ سے ترجیح دی گئی ہو تو، حکم ترجیح دی گئی روایت کے لیے

ہوگا اور حدیث مضطرب نہیں ہوگی۔ اور اضطراب راوی کے عدمِ ضبط پر خبر دینے کی وجہ سے حدیث میں ضعف کو واجب کرتا ہے، اور اضطراب کبھی سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں ہوتا ہے، اور دونوں صورتوں میں ایک راوی سے بھی ہوتا ہے اور پوری جماعت سے بھی ہوتا ہے۔

تشریح

اُنیسویں قسم، حدیثِ مضطرب

قوله: المضطرب الخ

انیسویں قسم حدیثِ مضطرب کے بیان میں ہے۔

لغوی تحقیق

مضطرب باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنٰی ہیں: شے اور اس کے فساد کا خلط ملط ہو جانا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آج طبیعت میں بڑا اضطراب ہے، یعنی خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، دونوں کے ملنے سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

اور یہ "اضطرب الموج" سے مشتق ہے، یعنی جب موجیں آپس میں بہت زیادہ ٹکرائیں تو اس وقت "اضطرب الموج" کہتے ہیں، بہرحال خلط و ملط ہونا اس کے لغوی مفہوم میں داخل ہے۔

اصطلاحی تعریف

"هو الذی یروی علی أوجه مختلفة متقاربة"

حدیثِ مضطرب وہ حدیث ہے جو ایسی متعدد اور مختلف سندوں سے مروی ہو جو آپس میں متعارض ہوں، لیکن قوت اور درجے میں تقریباً برابر ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاسکتی ہو اور نہ ہی تطبیق کی کوئی صورت ممکن ہو تو ایسی حدیث مضطرب کہلائیگی۔

کیونکہ اگر اسبابِ ترجیح میں سے کسی وجہ سے ترجیح دینا ممکن ہو، مثلاً ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کی بہ نسبت احفظ ہوں، یا مروی عنہ کے ساتھ طولِ صحبت رکھتے ہوں، تو پھر ان کی روایت کو ترجیح ہوگی، اضطراب ختم ہو جائے گا، راجح مقبول اور غیر راجح غیر مقبول ہوگی۔

اسی طرح اگر تطبیق ممکن ہو تب بھی اضطراب ختم ہو جائے گا، لہٰذا اضطراب کے پائے جانے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں:

(۱)....روایات کے درمیان ترجیح ناممکن ہو۔

(۲)....تطبیق بین الروایتین بھی ناممکن ہو۔

اگر یہ دو شرطیں موجود ہوں تو حدیث مضطرب کہلائے گی، ورنہ نہیں۔

اضطراب کا حکم

حدیثِ مضطرب ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ اس میں راوی کے ضبط کی کمی کی وجہ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

اضطراب کی تین صورتیں

قولہ: وقد یقع فی الإسناد تارۃ الخ

مصنفؒ نے اضطراب کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱)....اضطراب في السند

(۲)....اضطراب في المتن

(۳)....اضطراب في السند و المتن

(۱)....اضطراب في السند

مسندِ ابوبکر صدیقؓ میں ایک حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

"أراك شبت قال: شيبتني هود وأخواتها"

"کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود اور اسی جیسی دیگر سورتوں (جن میں قیامت کی ہولناکیاں مذکور ہیں، انہوں) نے بوڑھا کردیا ہے (اور میرے بال سفید ہوگئے ہیں)

امام دارقطنیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے، کیونکہ اسکی سند میں "ابو اسحاق السبيعي" متفرد ہیں، پھر ابو اسحاق سے روایت کرنے میں اختلاف ہے، کسی نے ابو اسحاق سے مرسلاً روایت کی ہے، اور کسی نے ان سے موصولاً روایت کی ہے، اور کسی نے اسے مسندِ ابوبکرؓ میں شمار کیا ہے، اور بعض نے اسے مسندِ سعد، اور بعض نے مسندِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں شمار کیا ہے۔

اور یہاں ترجیح کی صورت بھی ممکن نہیں، کیونکہ تمام راوی ثقہ ہیں، اور تطبیق بھی متعذر ہے، لہٰذا یہ حدیث مضطرب الاسناد ہوگی۔

(۲)....اضطراب فی المتن کی مثال

اس کی مثال حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

"عن فاطمة بنت قيس قالت : سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الزكوة فقال : إن في المال لحقا سوى الزكوة"(۱)

یہ امام ترمذیؒ کی روایت ہے۔

ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح ہے:

"ليس في المال حق سوى الزكوة"(۲)

اب اس روایت میں ہے کہ مال میں صرف زکوٰۃ فرض ہے، کوئی اور چیز فرض نہیں، جبکہ پہلی روایت میں اس کے برعکس ہے، لہٰذا متن میں اضطراب ہو گیا اور اس میں ترجیح و تطبیق بھی ممکن نہیں کہ اس کے ذریعے اضطراب ختم کیا جائے۔

(۳)....اضطراب فی السند والمتن کی مثال

اضطراب فی السند والمتن کبھی ایک راوی کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی پوری جماعت کی طرف سے ہوتا ہے، اس کی مثال حدیثِ قلتین ہے جو کہ بہت ہی مشہور ہے، اس میں سنداً اور متناً دونوں طریقے سے اضطراب ہے، اضطراب کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اضطراب کے پائے جانے کی دو وجہ

اضطراب کے پائے جانے کی عموماً دو وجہ بنتی ہیں:

---

(۱) ترمذی شریف، ج۳، ص۴۸، حدیث نمبر ۶۶۰، باب ما جاء ان في المال لحقا سوى الزكوة.

(۲) ابن ماجه، ج۱، ص ۵۷۰، حديث نمبر ۱۷۸۹، باب ما ادى الزكوة ليس بكنز.

(۱)....کبھی ایک راوی حدیث کومختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے، جسکی وجہ سے ان میں تطبیق مشکل ہوجاتی ہے، اوراس بناء پر وہ حدیث مضطرب بن جاتی ہے۔

(۲)....کبھی متعدد راویوں میں سے ہر ایک راوی حدیث کو دوسرے راوی کے خلاف روایت کرتا ہے، جس کی وجہ سے حدیث میں اضطراب پیدا ہوجاتا ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الْعِشْرُوْنَ: اَلْمُدْرَجُ: هُوَ أَقْسَامٌ، أَحَدُهَا: مُدْرَجٌ فِيْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِأَنْ يَّذْكُرَ الرَّاوِيْ عَقِيْبَهٗ كَلَامًا لِنَفْسِهٖ أَوْ لِغَيْرِهٖ فَيَرْوِيْهِ مَنْ بَعْدَهٗ مُتَّصِلاً فَيُتَوَهَّمُ أَنَّهٗ مِنَ الْحَدِيْثِ. وَ الثَّانِيْ: أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَهٗ مَتَنَانِ بِإِسْنَادَيْنِ فَيَرْوِيْهِمَا بِأَحَدِهِمَا. اَلثَّالِثُ: أَنْ يَسْمَعَ حَدِيْثًا مِنْ جَمَاعَةٍ مُخْتَلِفِيْنَ فِيْ إِسْنَادِهٖ أَوْ مَتْنِهٖ فَيَرْوِيْهِ عَنْهُمْ بِاتِّفَاقٍ. وَ كُلُّهٗ حَرَامٌ وَ صَنَّفَ فِيْهِ الْخَطِيْبُ كِتَابًا شَفٰى وَ كَفٰى.

ترجمہ

بیسویں قسم حدیث مدرج کے بیان میں ہے، مدرج کی کئی قسمیں ہیں:

(۱)....ان میں سے پہلی قسم "مدرج فی حدیث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" ہے اور وہ یہ کہ راوی حدیث بیان کرنے کے

بعد اپنا یا کسی دوسرے کا کلام ذکر کرے، پھر اس راوی کے بعد والے لوگ اس کلام کو حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کریں، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کلام بھی حدیث کا حصہ ہے۔ (۲)....دوسری قسم یہ ہے کہ راوی کے پاس دو متن دو سندوں کے ساتھ ہوں اور وہ دونوں متنوں کو ایک ہی سند کے ساتھ بیان کر دے۔ (۳)....تیسری قسم یہ ہے کہ راوی حدیث کو کسی ایسی جماعت سے سنے جن کا باہم اس حدیث کے سند اور متن میں اختلاف ہو، اور یہ راوی اس حدیث کو (اختلاف ذکر کیے بغیر) جماعت کے اتفاق کیساتھ روایت کرے۔ اور ادراج کی یہ تمام صورتیں حرام ہیں، اور خطیب بغدادیؒ نے حدیث مدرج کے سلسلے میں ایک کافی وشافی کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

تشریح

بیسویں قسم، حدیثِ مدرج

قوله: المدرج هو أقسام الخ

قسم نمبر ۲۰، حدیثِ مدرج کے بیان میں ہے۔

مدرج باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، یہ "أدرجت الشيء في الشيء" سے مأخوذ ہے جس کے معنٰی ہیں: داخل کیا ہوا۔

اصطلاحی تعریف

حدیثِ مدرج وہ حدیث ہے جس کی سند کا سیاق بدل دیا گیا ہو یا اس حدیث

میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کر دیا ہو، اور بعد میں وہ حدیث کا حصہ سمجھا جانے لگے۔

حدیثِ مدرج کی دو قسمیں

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حدیث مدرج دو قسم پر ہے۔

(۱)....مدرج الاسناد۔ (۲)....مدرج المتن

امام نوویؒ نے حدیث مدرج کی تین قسمیں ایک مدرج المتن اور دو قسمیں مدرج الاسناد کی بیان فرمائی ہیں، اور ان میں سے ایک قسم کو الثانی میں، اور دوسری قسم کو الثالث میں بیان فرمایا ہے، جبکہ حافظ ابنِ حجرؒ نے شرح نخبہ میں مدرج الاسناد کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں، پہلے ہم امام نوویؒ کے متن کے مطابق تشریح کرینگے، اور حاشیہ میں بطورِ استفادہ حافظ ابنِ حجرؒ کی بیان کی ہوئی مدرج الاسناد کی چار قسمیں ذکر کی جائیں گی (۱)۔

---

(۱) امام نوویؒ نے حدیثِ مدرج کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے "شرح نخبۃ الفکر" میں مدرج الاسناد کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں، بطورِ استفادہ یہ چاروں قسمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مدرج الاسناد کی چار صورتیں

پہلی صورت: کسی راوی کے نزدیک دو مختلف حدیثیں الگ الگ سندوں سے ثابت ہیں، لیکن کوئی دوسرا راوی یہ دونوں حدیثیں اس راوی سے ایک ہی سند کے ساتھ بیان کر دے۔ یا پھر ایک حدیث کو تو اس کی صحیح سند کے ساتھ ذکر کرے لیکن دوسری حدیث کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل کر دے۔

مثال

اس کی مثال سعید بن مریم کی یہ روایت ہے:

"رواہ سعید بن مریم عن مالک عن الزھری عن أنس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابرو ولاتنافسوا"۔

اس حدیث میں "ولاتنافسوا" کا جملہ مدرج ہے، یہ جملہ اس روایت کا نہیں ہے، بلکہ یہ دوسری حدیث کا حصہ ہے جو حضرت امام مالکؒ سے بواسطہ:............................(جاری ہے...)

بہر حال امام نوویؒ نے یہاں مدرج کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: ایک مدرج المتن، اور دو قسمیں مدرج الاسناد کی۔

(گذشتہ سے پیوستہ) "عن أبی الزناد عن الأعرج عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم: إياكم والظن فان الظن أكذب الحديث ولاتجسسوا ولاتحسسوا ولاتنافسوا ولاتحاسدوا".

تو یہ جملہ "ولا تنافسوا" اس حدیث میں ہے لیکن سعید بن مریم نے اس جملے کو پہلی حدیث کے ساتھ ملا کر بیان کر دیا۔

دوسری صورت: ایک حدیث ایک راوی نے مختلف شیوخ سے متعدد سندوں کے ساتھ سنی، لیکن بیان کرتے وقت اس نے سندوں کے اختلاف کو ذکر کیے بغیر تمام شیوخ کو ایک سند پر جمع کر کے ایک سند سے وہ حدیث بیان کر دی، حالانکہ ہر شیخ کی سند مختلف تھی۔

مثال

ترمذی شریف کی روایت ہے:

بندار عن عبدالرحمن بن مهدی عن سفيان الثوری عن واصل و منصور والاعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبيل عن عبدالله قال: قلت: يارسول الله صلى الله عليه وسلم أی الذنب أعظم؟

اس حدیث میں ابو وائل کے تین شاگرد ہیں: واصل، منصور اور اعمش،

سفیان ثوریؒ نے یہ حدیث واصل سے بھی سنی، منصور سے بھی سنی اور اعمش سے بھی سنی، لیکن واصل کی سند میں "عمرو بن شرحبیل" کا ذکر نہیں بلکہ ان کی سند یہ ہے:

"واصل عن أبی وائل عن عبدالله"

جبکہ منصور اور اعمش کی سند میں "عمرو بن شرحبیل" کا ذکر ہے، تو راوی "سفیان ثوری" نے یہ حدیث مختلف شیوخ سے متعدد سندوں کے ساتھ سنی، لیکن بیان کرتے وقت واصل کو منصور اور اعمش کے ساتھ جمع کر کے ایک ہی سند کے ساتھ حدیث روایت کر دی، حالانکہ واصل کی سند منصور اور اعمش سے مختلف ہے۔

تیسری صورت: ایک راوی نے حدیث کا کچھ حصہ ایک استاد سے اس کی سند کے ساتھ سنا اور دوسرا حصہ دوسرے استاد سے اس کی سند کے ساتھ سنا، لیکن بیان کرتے وقت راوی نے پہلے استاد کی سند سے مکمل حدیث سنا دی اور دوسری سند ذکر نہیں کی۔ (جاری ہے...)

(۱)..... مدرج المتن

مدرج المتن اسے کہتے ہیں کہ راوی حدیث کے متن میں اس طریقے پر اپنا کلام درج کرے کہ اصل حدیث میں، اور داخل کیے ہوئے کلام میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے، اور پتہ ہی نہ چلے کہ اصل حدیث کیا ہے اور اضافہ کون سا ہے؟ اور راوی کا کلام حدیث کا حصہ معلوم ہونے لگے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ ایک راوی نے حدیث کا کچھ حصہ ایک استاد سے بلاواسطہ سنا اور اسی حدیث کا دوسرا حصہ اسی استاد سے بالواسطہ (بواسطۃ الراوی) سنا، لیکن بیان کرتے وقت پوری حدیث اپنے استاد سے بلاواسطہ روایت کر دی اور درمیان کے واسطہ کو حذف کر دیا۔

مثال

نسائی شریف میں صفۃ صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک حدیث ہے:

"سفیان بن عیینة عن عاصم بن كليب عن أبيه"

اس حدیث میں سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کا یہ ٹکڑا:

"ثم جئتهم بعد ذلك في زمان فيه برد شديد"

بھی ذکر کر دیا، حالانکہ حدیث کا یہ حصہ سفیان بن عیینہ نے اپنے دوسرے استاذ "عاصم عن عبدالجبار بن وائل" سے سنا ہے، لیکن حدیث بیان کرتے وقت پوری حدیث کو "عاصم بن کلیب عن أبیہ" کی سند سے ذکر کر دیا۔

چوتھی صورت: شیخ نے کسی حدیث کی سند بیان کی اور ابھی تک متن بیان نہیں کیا تھا کہ کسی صورتحال کے پیش آجانے کی وجہ سے اس نے کوئی بات کہی (جو کہ حدیث نہیں تھی، بلکہ اپنی بات تھی) لیکن شاگرد نے یہ سمجھا کہ یہ مذکورہ بات سند کا متن ہے، لہذا اس شاگرد نے جب اس حدیث کو بیان کیا تو سند بیان کرنے کے بعد بطور حدیث استاد کی وہ بات بھی بیان کر دی۔

مثال

جیسا کہ بعض مسندین کے احوال میں آتا ہے کہ ایک راوی نے حدیث کی سند بیان کی اور آگے حدیث بیان کرنا چاہتا تھا کہ اچانک اس کے سامنے ایک نیکوکار، پرنور چہرہ، پرکشش شخصیت کی صورت میں ظاہر ہوا تو اس راوی نے اس انسان کو دیکھ کر کہا:

"من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار"

اور سننے والے یہ سمجھے کہ یہ اس سند کا متن ہے، حالانکہ وہ استاد کا مقولہ تھا۔

مدرج المتن کی مثال

اس کی مثال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"إذا قلت هذا أو قضيت هذا فقد قضيت صلوتك إن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد" (۱)

یہاں بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں، بلکہ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے، کیونکہ امام بیہقیؒ اور خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ دوسری سند میں:

"قال عبدالله بن مسعود: إذا قلت هذا"

کے الفاظ ہیں، معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے، لہٰذا یہ حدیث مدرج المتن ہوگی۔

مدرج الاسناد

سیاقِ سند کے بدل جانے کی وجہ سے ثقہ راوی کی مخالفت ہو جائے تو اسے مدرج الاسناد کہتے ہیں۔

امام نوویؒ نے اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک الثانی کے تحت اور دوسری الثالث کے تحت ذکر فرمائی ہے۔

مدرج الاسناد کی مثال

قوله: الثاني أن يكون عنده متنان الخ

(۱) ابو داؤد شریف، ج ۱ ص ۲۵۴، حدیث نمبر ۹۷۰، باب التشهد.

دوسری قسم کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک راوی کو دو حدیثیں الگ الگ سندوں سے حاصل ہوں، پھر بعد میں کوئی شاگرد دونوں حدیثوں کو ملا کر ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کر دے، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے کہ:

"روى أبو داود من رواية زائدة وشريك و النسائي من رواية سفيان بن عيينة كلهم عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر في صفة صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال فيه: ثم جئتهم بعد ذلك في زمان فيه برد شديد فرأيت الناس عليهم جل ثياب تحرك أيديهم تحت الثياب". (۱)

اب اس حدیث میں "ثم جئتهم الخ" والا جملہ مدرج ہے، کیونکہ اس کی سند یہ نہیں ہے، بلکہ یہ "عاصم عن عبدالجبار بن وائل عن بعض أهله" کے طریق سے مروی ہے، لیکن راوی نے اس جملے کو بھی پہلے طریق کی سند کے ساتھ ذکر کر دیا، لہٰذا یہ جملہ پہلی حدیث میں مدرج ہے۔

مدرج في الاسناد کی مثال

قوله: الثالث أن يسمع حديثا الخ

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی ایک حدیث کو ایک جماعت سے الگ الگ سندوں کے ساتھ سنے، لیکن پھر بعد میں کوئی شاگرد تمام سندوں میں سے کسی ایک سند کے ساتھ اس کو بیان کر دے اور اختلافِ سند ذکر نہ کرے۔

ماقبل والی صورت اور اس صورت میں فرق یہ ہوا کہ ماقبل والی صورت میں دو حدیثیں الگ الگ سندوں سے تھیں اور اس صورت میں ایک الگ الگ حدیث

(۱) ابوداود شریف ج ۱ ص ۱۹۳، حدیث نمبر ۷۲۷، باب رفع اليدين في الصلوة.

مختلف سندوں سے مروی ہے اور راوی اس کو ایک سند سے بیان کردے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ:

"حديث الترمذی عن بندار عن عبدالرحمن بن مهدی
عن سفيان الثوری عن واصل ومنصور والأعمش عن أبی
وائل عن عمرو بن شُرَحْبيل عن عبدالله قال: قلت:
يارسول الله صلى الله عليه وسلم! أی ذنب أعظم؟ الخ

اب اس حدیث میں ابووائل کے تین شاگرد ہیں:

(۱)...واصل (۲)...منصور (۳)...اعمش

ان میں سے منصور اور اعمش تو اسی طریق سے "عن أبی وائل عن عمرو بن شرحبيل الخ" سے حدیث کو ذکر کرتے ہیں، لیکن واصل حضرت عمرو بن شرحبیل کے واسطے کو چھوڑ کر براہ راست حضرت عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں، تو واصل کی یہ حدیث منصور اور اعمش کی حدیث میں مدرج ہے۔

ادراج کا حکم

ادراج کا حکم یہ ہے کہ یہ تینوں صورتوں میں ادراج خواہ متن میں ہو یا سند میں، حرام اور موجب فسق ہے، حضرات فقہاءؒ اور محدثینؒ کا اس پر اجماع ہے، کیونکہ اس سے حدیث پر اعتماد ختم ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے کہا ادراج کرنے والا "ساقط العدالة" ہے، البتہ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ اسے مطلقاً حرام کہنا درست نہیں ہے، ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے کہ اگر راوی نے حدیث کے اندر قلیل الاستعمال لفظ کی تشریح کرتے ہوئے حدیث میں اپنا کچھ کلام ذکر کیا ہو تو وہ درست ہے، اس کے علاوہ باقی صورتوں میں ادراج حرام اور ناجائز ہے۔

اور خطیب بغدادیؒ نے احادیثِ مدرجہ کے سلسلے میں ایک کافی ووافی کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام "الفصل للوصل المدرج فی النقل" ہے۔

ادراج معلوم کرنے کے طریقے

ادراج معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً:

(۱)....کبھی دوسری مفصل حدیث سے پتہ چل جاتا ہے کہ حدیث کا یہ حصہ مدرج ہے۔

(۲)....کبھی راوی خود اقرار کر لیتا ہے کہ یہ کلام مدرج ہے۔

(۳)....کبھی ماہرینِ علمِ حدیث اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر ادراج کی تصریح کر دیتے ہیں۔

(۴)....کبھی اس حدیث میں کوئی جملہ ایسا ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جملے کا فرمانا محال معلوم ہوتا، جیسا کہ ایک روایت ہے:

"للعبد المملوک أجران والذی نفسی بیده لو لا الجهاد فی سبیل الله و برّ امی لأحببت أن أموت و انا مملوک"

اب "والذی" سے آگے والا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ غلامی کسی نبی کے شایانِ شان نہیں، اور دوسرا یہ کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حیات ہی نہیں تھیں کہ ان کی خدمت کرتے۔

متن

اَلنَّوْعُ الْحَادِیْ وَ الْعِشْرُوْنَ: اَلْمَوْضُوْعُ: هُوَ الْمُخْتَلَقُ الْمَصْنُوْعُ وَ شَرُّ الضَّعِیْفِ وَ تُحْرَمُ رِوَایَتُهٗ مَعَ الْعِلْمِ بِهٖ فِیْ اَیِّ مَعْنًی کَانَ اِلَّا مُبَیِّنًا وَ یُعْرَفُ الْوَضْعُ بِاِقْرَارِ وَاضِعِهٖ اَوْ مَعْنٰی اِقْرَارِهٖ اَوْ قَرِیْنَةٍ فِی الرَّاوِیْ اَوِ الْمَرْوِیِّ فَقَدْ وُضِعَتْ اَحَادِیْثُ یَشْهَدُ بِوَضْعِهَا رَکَاکَةُ لَفْظِهَا وَ مَعَانِیْهَا. وَ قَدْ اَکْثَرَ جَامِعُ الْمَوْضُوْعَاتِ فِیْ نَحْوِ مُجَلَّدَیْنِ اَعْنِیْ اَبَا الْفَرْجِ بْنَ الْجَوْزِیِّ، فَذَکَرَ کَثِیْرًا مِّمَّا لَا دَلِیْلَ عَلٰی وَضْعِهٖ بَلْ هُوَ ضَعِیْفٌ.

ترجمہ

’’اکیسویں قسم حدیثِ موضوع کے بیان میں ہے۔ موضوع، بنائی ہوئی، گھڑی ہوئی حدیث ہے، اور ضعیف کی بدترین قسم ہے، اور حدیثِ موضوع کو اس کے موضوع ہونے کا پتہ چل جانے کے بعد کسی بھی صورت میں روایت کرنا جائز نہیں، اِلّا یہ کہ اس کی تصریح کردی جائے۔ اور وضع کی معرفت واضع کے اقرار سے ہوجاتی ہے، یا کسی ایسے کلام کی وجہ سے جو اس کے اقرار کے معنٰی میں ہو، یا راوی اور روایت میں کسی قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے، چنانچہ بہت

ساری احادیث کو گھڑا گیا ہے جن کے موضوع ہونے پر اس حدیث کے الفاظ و معانی کی رکاکت (کمزوری) دلالت کرتی ہے۔ اور "جامع الموضوعات" میں ابوالفرج ابن جوزی نے دو جلدوں میں موضوع احادیث کو جمع کیا ہے، اور بہت تشدد سے کام لیا ہے، چنانچہ انہوں نے بہت ساری ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ وہ صرف ضعیف ہیں۔

تشریح

اکیسویں قسم، حدیثِ موضوع

قوله: الموضوع

اکیسویں قسم، حدیثِ موضوع کے بیان میں ہے۔

موضوع کے لغوی معنٰی

موضوع وَضَعَ يَضَعُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنٰی آتے ہیں: نیچے کیا ہوا، البتہ وضع یضع کے حقیقی معنٰی ''رکھنے'' کے آتے ہیں، لیکن چونکہ رکھی ہوئی چیز بھی کھڑی چیز کے مقابلے میں نیچے ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کے معنٰی ہیں: نیچے کیا ہوا، اور حدیثِ موضوع کو بھی موضوع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی اقسام میں سب سے نیچے اور سب سے گھٹیا درجے کی ہے۔

اس نوع کا خلاصہ

نیز اس فرع میں مصنفؒ نے چند چیزوں کو بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حدیثِ موضوع کی تعریف، اس کا درجہ، اس کا حکم بیان فرمایا

ہے، اسکے بعد یہ بیان فرمایا کہ موضوع ہونے کا پتہ کس طرح چلے گا، اور وضعِ حدیث کے اسباب کیا ہیں؟ اور وضع کرنے والوں کی قسمیں وغیرہ یہ اس نوع کا خلاصہ ہے۔

حدیثِ موضوع کی اصطلاحی تعریف

هو المختلق المصنوع

اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی بات قصداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا، یعنی اپنی بات یا کسی حکیم و دانا کی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا جائے، اس کو حدیثِ موضوع کہتے ہیں۔

حدیثِ موضوع کا درجہ

حدیثِ موضوع احادیثِ ضعیفہ میں سب سے بدترین قسم ہے، کیونکہ حدیثِ ضعیف تو پھر بھی حدیث ہوتی ہے، یہ تو حدیث ہی نہیں ہوتی، لیکن عام طور پر محدثینؒ اس کو حدیثِ ضعیف میں شمار کرتے ہیں۔

حدیثِ موضوع کا حکم

حدیثِ موضوع کو بیان کرنا حرام ہے الّا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کی تصریح کر دے کہ میں تم کو حدیثِ موضوع سنا رہا ہوں، تو اس صورت میں گنجائش ہے، جیسا کہ ایک قول کے مطابق حدیثِ ضعیف کو اس کا ضعف بتا کر بیان کرنا جائز ہے۔

حدیثِ موضوع کا پتہ کس طرح چلے گا؟

اس کے چار طریقے ہیں:

(۱) .... يعرف الوضع باقراره

واضع خود اقرار کرلے، اس سے وضع کا علم ہو جاتا ہے اور بہت سے واضعین نے اقرار بھی کیا ہے، جیسے نوح بن ابی مریم نے فضائلِ قرآن کی حدیثیں گھڑنے کا اقرار کیا۔

(۲) ..... أو معنى إقراره

واضع طور پر صراحۃً تو اقرار نہیں کرتا، لیکن ایسا کلام ذکر کرتا ہے جو اقرار کے قائم مقام ہو۔

(۳) .... أو قرينة فى الراوى

یا راوی کے اندر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ جو اس کے واضع ہونے پر دلالت کرے، مثلاً راوی رافضی یا خارجی ہو اور اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں گھڑتا ہو۔

(۴) .... أو قرينة فى المروى

کبھی حدیث کے الفاظ ہی بتادیتے ہیں کہ وہ موضوع ہے، مثلاً وہ قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہو اور وہ ایسے گھٹیا اور بے حقیقت الفاظ پر مبنی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بالکل بعید ہوں، اس کی مثال جیسے حدیث مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو لا الجهاد فى سبيل الله و برّ أمى لأحببت أن أموت و أنا مملوک"

"اگر جہاد اور میری والدہ کی خدمت کا خیال نہ ہوتا تو میں غلامی کی موت چاہتا"

یہ حدیث "شرح نخبۃ الفکر" میں ہے، اب جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات کہی جارہی ہے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ زندہ کہاں

تھیں، وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن ہی میں انتقال فرما چکی تھیں، لیکن واضع نے اس کو وضع کیا اور وضع کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ میں ایسی بات کہہ رہا ہوں جو بالکل ہی بداہت کے خلاف ہے۔

یہ چار طریقے علامہ نوویؒ نے بیان فرمائے ہیں۔

قوله: وقد أكثر جامع الموضوعات الخ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن جوزیؒ نے حدیثِ موضوع کے سلسلے میں ”موضوعاتِ کبریٰ“ لکھی ہے، اور اس میں انہوں نے بہت تشدد سے کام لیا ہے اور بہت سی ایسی حدیثیں جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ صرف ضعیف ہیں، علامہ ابنِ جوزیؒ نے ان کو بھی موضوع قرار دے کر اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں بعض احادیث ایسی ہیں جو حسن ہیں، بلکہ بعض صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، لیکن علامہ ابنِ جوزیؒ نے جوش میں آکر ان سب کو موضوع قرار دے دیا، حالانکہ حدیثِ صحیح، حسن اور ضعیف کو موضوع کہنا درست نہیں۔

متن

وَالْوَاضِعُونَ أَقْسَامٌ: أَعْظَمُهُمْ ضَرَرًا قَوْمٌ يُنْسَبُوْنَ إِلَى الزُّهْدِ وَضَعُوْهُ حِسْبَةً فِيْ زَعْمِهِمْ فَقُبِلَتْ مَوْضُوْعَاتُهِمْ ثِقَةً بِهِمْ. وَ جَوَّزَتِ الْكَرَّامِيَةُ الْوَضْعَ فِيْ التَّرْغِيبِ وَ التَّرْهِيْبِ وَهُوَ خِلَافُ إِجْمَاعِ

الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يُعْتَدُّ بِهِمْ وَوَضَعَتِ الزَّنَادِقَةُ جُمَلاً فَبَيَّنَ جَهَابِذَةُ الْحَدِيْثِ أَمْرَهَا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ رُبَمَا أَسْنَدَ الْوَاضِعُ كَلَامًا لِنَفْسِهٖ أَوْ لِبَعْضِ الْحُكَمَاءِ وَ رُبَمَا وَقَعَ فِيْ شِبْهِ الْوَضْعِ بِغَيْرِ قَصْدٍ. وَ مِنَ الْمَوْضُوْعِ الْحَدِيْثُ الْمَرْوِيُّ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِيْ فَضْلِ الْقُرْآنِ سُوْرَةٌ سُوْرَةٌ وَ قَدْ أَخْطَأَ مَنْ ذَكَرَهُ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ.

ترجمہ

''اوراحادیث گھڑنے والوں کی متعدد اقسام ہیں، ان میں اسلام کو زیادہ نقصان پہنچانے والے لوگ وہ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے اپنے گمان میں ثواب کے لیے احادیث کو گھڑا، پس ان پر اعتماد کی وجہ سے ان کی موضوعات کو قبول کیا گیا ہے۔ اور کرامیہ نے ترغیب و ترھیب کے لئے احادیث گھڑنے کے جواز پر فتویٰ دیا ہے، لیکن یہ ان مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے جن کے اجماع کا اعتبار ہے اور زنادقہ نے بہت ساری احادیث گھڑی ہیں، الحمدللہ! ماہرینِ حدیث نے اسکے حکم کو بیان کیا ہے۔ اور بسا اوقات واضع اپنے کلام کے لیے، یا بعض حکماء کے کلام کے لیے سند بناتا ہے، اور بعض مرتبہ بغیر ارادہ کے شبہ وضع میں واقع ہوجاتا ہے اور

موضوعات میں سے وہ احادیث ہیں جو حضرت ابی بن کعبؓ سے فضائل قرآن کے سلسلے میں ایک ایک سورت کے بارے میں مروی ہیں، اور جن مفسرین نے ان روایات کو ذکر کیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔"

تشریح

قوله: والواضعون أقسام.

اب یہاں سے مصنفؒ واضعین کی اقسام بیان فرمارہے ہیں اور مراد ان سے اسبابِ وضع ہیں کہ کن اسباب کی بناء پر لوگ احادیث گھڑتے ہیں؟

احادیث گھڑنے کے اسباب

(۱)... تقرب إلى الله کے لیے حدیث گھڑنا

یہ وہ لوگ ہیں جو زُہد کی طرف منسوب ہیں، یعنی متصوفہ، ایک حقیقی صوفی ہوتا ہے، وہ تو اللہ والا ہوتا ہے، وہ کیسے حدیث گھڑ سکتا ہے؟ اور ایک مصنوعی صوفی ہوتا ہے، جو اپنے آپ کو زاہد وعابد شمار کرتا ہے کہ ہم بڑے اللہ والے ہیں، ہم لوگوں کو عبادت میں لگانے کے لیے فضائل کی حدیثیں گھڑتے ہیں، اور عوام ان کے ظاہری زُہد وعبادت پر اعتماد کرکے ان کی احادیث قبول کرلیتے ہیں۔

ان لوگوں کی وجہ سے دین کو بہت نقصان پہنچا ہے، چنانچہ اہلِ بدعت کے ہاں ایسی حدیثیں بہت زیادہ ہیں، مثلاً درودِ ماہی، درودِ لکھی، درودِ تاج، عہد نامہ وغیرہ، یہ ان کے ہاں بہت زیادہ ہیں اور ان کے فضائل دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ بس زمین وآسمان مل جائے، اور حوالہ عام طور پر کسی کتاب کا نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو واعظوں کی کتابوں کا حوالہ ہوتا ہے جو معتبر نہیں، لیکن کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں ہوتا، اس سے

دین کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

امام نوویؒ نے صرف یہ سبب بیان کیا ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر اسباب ہیں:

(۲)....مال کمانے کے لئے احادیث گھڑتے ہیں۔

(۳)....اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں گھڑتے ہیں، مثلاً خوارج اور روافض نے اپنے مذہب کی تائید میں ہزاروں حدیثیں گھڑی ہیں مثال کے طور پر:

"عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ مَنْ شَکَّ فِیْهِ کَفَرَ"

(۴)....اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے احادیث گھڑنا، مثلاً زنادقہ نے بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں، جیسے محمد بن سعید الشامی نے ختمِ نبوت کے عقیدہ کو ختم کرنے کے لیے حدیث گھڑی کہ:

"انا خاتم النبیین لانبی بعدی إلا أن یشاء اللّٰہ"

اس نے ختمِ نبوت کے عقیدے کو ختم کرنے کے لیے "إلا أن یشاء اللّٰہ" کا اضافہ کیا۔

(۵).... شہرت حاصل کرنے کے لئے حدیثیں گھڑنا۔

حدیثِ موضوع کے سلسلے میں کرّامیہ کا مسلک

قوله: وجوزت الکرامیة الوضع الخ

کرّامیہ، یہ محمد بن کرام جستانی کی طرف منسوب ہے، یہ معتزلہ کی ایک شاخ ہے، انہوں نے ترغیب وترھیب کے لئے حدیث گھڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔

ترغیب کہتے ہیں: اعمال کا ثواب اور فضائل بیان کر کے لوگوں کو دین کی طرف لانا۔

اور ترھیب کہتے ہیں: عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو گناہوں سے بچانا۔

کرّامیہ کے دلائل اور جوابات

کرّامیہ نے ترغیب و ترھیب میں وضعِ حدیث کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر انہوں نے دلائل بھی قائم کیے ہیں۔

پہلی دلیل

انہوں نے اس حدیث سے دلیل پیش کی ہے:

"من كذب علّي متعمدا ليضل به الناس فليتبوأ مقعده من النار"(۱)

اس حدیث سے دو طریقے سے استدلال کیا ہے:

(۱)....آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "علّیَ" فرمایا، لفظ "لَهُ" نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کذب بیانی ناجائز ہے جو مضر ہو، اور ترغیب و ترھیب مضر نہیں، بلکہ مفید چیز ہے، لہٰذا ترغیب و ترھیب میں وضعِ حدیث جائز ہے۔

جواب

اگر ان لوگوں کی یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو پھر تمام بدعات دین میں داخل ہو جائیں گی، کیونکہ مبتدعین بھی اپنے زعم کے مطابق دین کے فائدے کے لیے بدعت ایجاد کرتے ہیں، نیز اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تمام باتیں بیان نہیں کی ہیں، لہٰذا ان کا یہ دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔

(۲)....دوسرا انہوں نے "ليضلّ به النّاس" کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ وہ کذب بیانی ناجائز ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہو اور ترغیب و

(۱) بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲، حدیث نمبر ۱۱۰، باب اثم من كذب علي النبي صلى الله عليه وسلم۔

ترہیب میں چونکہ لوگوں کو راہِ راست پر لانا مقصود ہوتا ہے، اس لئے اس میں وضعِ حدیث جائز ہے۔

جواب

ان کی یہ دلیل چند وجوہ کی بناء پر باطل ہے:

(۱)....اوّلاً اس وجہ سے کہ "لیضلّ به النّاس" کی زیادتی کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

(۲)....ثانیاً اگر یہ زیادتی صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ محض تاکید کے لیے ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ"(۱)

(۳)....ثالثاً یہ کہ "لیضلّ" میں لام تعلیلیہ نہیں، بلکہ عاقبت کا ہے کہ انجام کے اعتبار سے کذب بیانی گمراہی ہوتی ہے۔

زنادقہ نے بہت ساری احادیث گھڑی ہیں

قوله: ووضعت الزنادقة جملا الخ

زنادقه نے بہت ساری حدیثیں گھڑی ہیں۔

زنادقه، زندیق کی جمع ہے اور زندیق کے مختلف معنٰی آتے ہیں، ان میں سے ایک معنٰی یہ ہیں کہ جو اندر سے کافر ہو اور باہر سے مسلمان ہونا ظاہر کرے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین تھے، ان زنادقہ نے بہت ساری احادیث گھڑی ہیں، لیکن ماہرینِ حدیث اور نقاد نے اس معاملے کو کھول کر بیان کر دیا ہے، ولله الحمد علی ذلک۔

---

(۱) سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۴۴۔

جہابذہ کے معنی تجربہ کار ماہرین کے ہیں۔

حدیث وضع کرنے کے دو طریقے

قولہ: وربما اسند الواضع کلاما لنفسه

واضعین کس طریقے سے حدیثیں گھڑتے ہیں، اس کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)....اپنے کلام کو مضبوط کرنے کے لیے احادیث گھڑتے ہیں۔

(۲)....بعض حکماء کے کلام کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی طرف سے سند بنا کر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

قولہ: وربما وقع فی شبه الوضع.

اور کبھی کبھی شبہ میں بلا ارادہ حدیث وضع کر دیتا ہے، یعنی قصداً تو وضع نہیں کرتا، لیکن اس سے غلطی ہو جاتی ہے اور وہ حدیث میں کوئی نہ کوئی اضافہ کر بیٹھتا ہے، واضح رہے کہ اس کو مدرج تو کہا جا سکتا ہے، لیکن موضوع کہنا مشکل ہوگا۔

قولہ: ومن الموضوع الحدیث المروی الخ

یہاں سے مصنفؒ نے حدیثِ موضوع کی ایک مثال پیش کی ہے کہ ہر سورت کے شروع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ فضائل کی حدیثیں مروی ہیں، اکثر یہ موضوعات میں سے ہیں، اور جن مفسرین نے ان فضائل کو ذکر کیا ہے تو انہوں نے غلطی کی ہے۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّانِیْ وَ الْعِشْرُوْنَ: اَلْمَقْلُوْبُ: هُوَ نَحْوُ حَدِیْثٍ مَشْهُوْرٍ عَنْ سَالِمٍ جُعِلَ عَنْ نَافِعٍ لِیُرْغَبَ

فِيْهِ وَ قَلَبَ أَهْلُ بَغْدَادَ عَلَى الْبُخَارِيِّ مِائَةَ حَدِيْثٍ امْتِحَانًا فَرَدَّهَا عَلَى وُجُوْهِهَا فَأَذْعَنُوْا بِفَضْلِهِ.

ترجمہ

بائیسویں قسم حدیثِ مقلوب کے بیان میں ہے، مقلوب جیسے کوئی حدیث سالم سے مشہور ہو تو اس میں رغبت دلانے کے لئے اسے نافع کے حوالے سے بیان کیا جائے، اور اہلِ بغداد نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لیے سو (۱۰۰) احادیث میں قلب کیا تھا، پھر امام بخاریؒ نے ان کو اپنی اصلی حالت کی طرف واپس کیا تھا، اور اہلِ بغداد نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا۔"

تشریح

بائیسویں قسم، حدیثِ مقلوب

قولہ: المقلوب

مقلوب کے لغوی معنٰی

یہاں سے مصنفؒ حدیث کی بائیسویں قسم بیان فرما رہے ہیں، اس کا نام حدیثِ مقلوب ہے، لفظِ مقلوب اسمِ مفعول کا صیغہ ہے قلب یقلب سے، جس کے معنٰی آتے ہیں: وہ چیز ہے جسکی اصل صورت میں اُلٹ پھیر اور تقدیم وتاخیر کی گئی ہو۔

مقلوب کی اصطلاحی تعریف

حدیثِ مقلوب وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں تقدیم وتاخیر ہونے کی

وجہ سے تبدیلی ہوگئی ہو۔

حدیثِ مقلوب کی دو قسمیں

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حدیثِ مقلوب کی دو قسمیں ہیں:

(۱).... مقلوب السند

(۲).... مقلوب المتن

مقلوب السند

وہ حدیث ہے جس کی سند میں تبدیلی ہو جائے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱)....کوئی حدیث مثلاً حضرت سالمؒ سے مروی ہے اور ان سے وہ حدیث مشہور ہے، اب کوئی آدمی اسے نافع سے روایت کرے تو یہ سند میں تبدیلی ہوگی، اور یہ حدیث مقلوب السند کہلائے گی۔

(۲)....کبھی امتحان لینے کے لیے سند میں تبدیلی کردی جاتی ہے جیسا کہ اہلِ بغداد نے امام بخاریؒ کا امتحان لینے کے لئے سو (۱۰۰) احادیث کی سند میں تبدیلی کی تھی، لیکن پھر بعد میں ان احادیث کو اپنی اصلی حالت پر لوٹایا گیا، جیسا کہ اس کا قصہ مشہور ہے، تو یہ احادیث سنداً مقلوب تھیں۔

(۳)....کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سند میں راوی باپ کے نام کے ساتھ مذکور ہوتا ہے تو اس میں قلب کردے جیسے مرّۃ بن کعب کی جگہ کعب بن مرّۃ کہہ دے۔

مقلوب المتن

وہ حدیث کہ جس کے متن میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے تبدیلی ہو جائے۔

مقلوب المتن کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱)....متن کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہوجائے، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو بخاری شریف میں مذکور ہے کہ:

"سات آدمی قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے،
ان میں سے ایک وہ ہے جو "لاتعلم شماله ما ینفق یمینه"(۱)
اور یہی صحیح ہے۔
لیکن مسلم شریف میں اس کا اُلٹ ہے کہ:

"حتی لاتعلم یمینه ما ینفق شماله"(۲)

اس طرح اس حدیث کے متن میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے تبدیلی ہوگئی ہے، لہٰذا یہ حدیث مقلوب المتن ہوگی۔

(۲)....ایک سند کے متن کو دوسری سند کے ساتھ ملادے، اور دوسری سند کے متن کو پہلی سند کے ساتھ ملادے، اس کی مثال جیسا کہ اہلِ بغداد نے امام بخاریؒ کا امتحان لینے کے لئے (۱۰۰) سو احادیث کی سند اور متن کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر سوال کیا تھا۔

قلبِ حدیث کے تین اسباب اوران کا حکم

قلبِ حدیث کے تین اسباب ہیں، اور ہر ایک کا الگ حکم ہے۔

(۱)....تشہیرِ اغراب

غریب حدیث کو شہرت دینے کیلئے حدیث میں قلب کیا جائے، یہ قسم بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے حدیث میں جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔

---

(۱) بخاری شریف ج۱ ص، حدیث نمبر ۶۲۹، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و فضل المساجد.

(۲) مسلم شریف ج۲ ص۷۱۵، حدیث نمبر ۱۰۳۱، باب فضل إخفاء الصدقة.

(۲)....امتحان لینے کیلئے حدیث میں قلب کیا جائے، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ اسی مجلس میں قلب کو ختم کر دیا جائے، جیسا کہ امام بخاریؒ کے واقعہ میں ہے۔

(۳)....غلطی کی بناء پر حدیث میں قلب ہو جائے، جیسے مرّۃ بن کعب کی جگہ کعب بن مرّۃ کہنا، تو یہ عذر ہے اور ایسا کرنے والا معذور ہے۔

حدیثِ مقلوب کا حکم

یہ حدیث ضعیف ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

متن

فرع: إِذَا رَأَيْتَ حَدِيْثًا بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ فَلَكَ أَنْ تَقُوْلَ: هُوَ ضَعِيْفٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَلاَ تَقُلْ: ضَعِيْفُ الْمَتْنِ لِمُجَرَّدِ ضَعْفِ ذٰلِكَ الْإِسْنَادِ إِلاَّ أَنْ يَقُوْلَ إِمَامٌ أَنَّهُ لَمْ يُرْوَ مِنْ وَجْهٍ صَحِيْحٍ أَوْ أَنَّهُ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ مُفَسِّرًا ضَعْفَهُ فَإِذَا أُطْلِقَ فَفِيْهِ كَلاَمٌ يَأْتِيْ قَرِيْبًا. وَ إِذَا أَرَدْتَ رِوَايَةَ الضَّعِيْفِ بِغَيْرِ إِسْنَادٍ فَلاَ تَقُلْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَا وَ مَا أَشْبَهَهُ مِنَ الْجَزْمِ، بَلْ قُلْ: رُوِيَ كَذَا أَوْ بَلَغَنَا كَذَا أَوْ وَرَدَ أَوْ جَاءَ أَوْ نُقِلَ وَ مَا أَشْبَهَهُ، وَ كَذَا مَا تَشُكُّ فِيْ صِحَّتِهٖ.

ترجمہ

جب آپ کو کوئی حدیث ضعیف سند کے ساتھ مل جائے تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے، اور آپ اس حدیث کو صرف اسی سند کے ضعف کی وجہ سے ضعیف المتن نہیں کہہ سکتے، ہاں! اگر کوئی امام تصریح کردے کہ یہ حدیث کسی صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے، یا یہ کہ کوئی امام اس حدیث کے ضعف کو بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر اگر اس حدیث پر ضعیف کا اطلاق کیا گیا ہو اور اس کے ضعف کے سبب کو بیان نہیں کیا تو اس میں بحث ہے جو عنقریب آرہی ہے، اور جب آپ ضعیف حدیث کو سند کے بغیر روایت کرنے کا ارادہ کریں تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مشابہ ایسے صیغوں کے ساتھ روایت نہ کریں جو جزم اور یقین پر دلالت کرتے ہوں، بلکہ یوں کہیں کہ اس طرح روایت کیا گیا ہے، یا ہم تک خبر پہنچی ہے یا وارد ہوا ہے، یا اس طرح آیا ہے، یا اس طرح منقول ہے، یا اس کے مشابہ" ایسے صیغوں سے روایت کریں جو جزم اور یقین پر دلالت نہ کرتے ہوں" یہی حکم اس روایت کا ہے جس کی صحت میں آپ کو شک ہے۔

تشریح

فرع اور تین مسائل

قولہ: إذا رأيت حديثًا بإسنادٍ ضعيف الخ

حدیث ضعیف کے متعلق اس فرع میں مصنفؒ نے تین مسائل بیان فرمائے ہیں:

(۱)..... پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سنداً ضعیف ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، یوں نہیں کہنا چاہئے کہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، الا یہ کہ کوئی امام اس بات کی تصریح کر دے کہ یہ حدیث کسی بھی صحیح سند سے مروی نہیں ہے تو اس صورت میں اس حدیث کو ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

یا یہ کہ وہ امام اس حدیث کو ضعیف کہے، اور وجہِ ضعف بھی بیان کرے تو اس صورت میں بھی حدیث کو ضعیف کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر وہ حدیث کو ضعیف کہے لیکن وجہِ ضعف بیان نہ کرے تو اسمیں تفصیل ہے جسکا حکم آگے آنے والی نوع میں آئے گا۔

قوله: وإذا أردت رواية الضعيف بغير إسناد الخ

(۲)..... دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ضعیف حدیث بغیر سند کے بیان کرنی ہو تو پھر وہ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" کہہ کر بیان نہ کرے، یعنی صیغۂ جزم کے ساتھ بیان نہ کرے، بلکہ صیغۂ تمریض کے ساتھ بیان کرے، کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، اس لئے کہ جب حدیث ضعیف ہے تو اس کو جزم کے ساتھ بیان کرنے میں انداز ذرا مناسب نہیں، اور جرأت کی بات ہے۔

اسی طرح اس حدیث کے اندر بھی صیغۂ تمریض استعمال کرنا چاہئے جس کی صحت میں شک ہو۔ تیسرا مسئلہ آنے والے متن میں آرہا ہے۔

متن

وَ يَجُوْزُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ وَ غَيْرِهِمُ التَّسَاهُلُ فِيْ الْأَسَانِيْدِ وَ رِوَايَةُ مَا سِوَى الْمَوْضُوْعِ مِنَ الضَّعِيْفِ

وَ الْعَمَلُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ ضَعْفِهٖ فِيْ غَيْرِ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ الْأَحْكَامِ كَالْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ وَ مِمَّا لَا تَعَلُّقَ لَهٗ بِالْعَقَائِدِ وَ الْأَحْكَامِ.

ترجمہ

اہلِ حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک اسانید میں چشم پوشی کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور حلال وحرام جیسے احکام (اور جن کا عقائد اور احکام سے کوئی تعلق نہیں) کے علاوہ میں حدیثِ موضوع کے علاوہ ضعیف احادیث کو روایت کرنا، اور اس پر عمل کرنا، اس حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کے بغیر بھی جائز ہے۔

تشریح

ضعیف حدیث کی روایت کا حکم

(۳)..... تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حدیثِ ضعیف کی روایت کے حکم میں تفصیل ہے کہ اگر حدیثِ ضعیف کا تعلّق اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہو، یا احکام سے ہو، خواہ احکامِ عملیہ ہوں یا احکامِ اعتقادی ہوں، تو ان میں حدیثِ ضعیف کو بطورِ استدلال کے پیش نہیں کرسکتے۔

البتہ فضائل اور وعظ ونصیحت اور قصص میں ضعیف احادیث بیان کرنا جائز ہے، لیکن تین شرطوں کے ساتھ:

(۱)..... اس حدیث کا ضعف شدید نہ ہو۔

(۲)....وہ حدیث اصولِ حقہ معمول بھا کے تحت داخل ہو۔

(۳)....اس پر عمل کرنے سے احتیاط مقصود ہو۔

متن

اَلنَّوْعُ الثَّالِثُ وَ الْعِشْرُوْنَ: صِفَةُ مَنْ تُقْبَلُ رِوَايَتُهٗ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهٖ وَفِيْهِ مَسَائِلُ: إِحْدَاهَا: أَجْمَعَ الْجَمَاهِيْرُ مِنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ وَ الْفِقْهِ أَنَّهٗ يُشْتَرَطُ فِيْهِ أَنْ يَّكُوْنَ عَدْلاً ضَابِطًا بِأَنْ يَّكُوْنَ مُسْلِمًا بَالِغًا عَاقِلاً سَلِيْمًا مِنْ أَسْبَابِ الْفِسْقِ وَ خَوَارِمِ الْمُرُوْءَةِ مُسْتَيْقِظًا حَافِظًا إِنْ حَدَّثَ مِنْ حِفْظِهٖ ضَابِطًا لِكِتَابِهٖ إِنْ حَدَّثَ مِنْهُ عَالِمًا بِمَا يَحِيْلُ الْمَعْنٰى إِنْ رَوٰى بِهٖ.

ترجمہ

تیئیسویں قسم ان لوگوں کی صفات کے بیان میں ہے جن کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور جو اس سے متعلق ہیں، اور اس میں کئی مسائل ہیں: پہلا مسئلہ: جمہور ائمہ حدیث اور علماءِ فقہ کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث کے راوی کی روایت کو قبول کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہو، ضابط ہو، بایں طور کہ وہ مسلمان، عاقل اور بالغ ہو اور اسبابِ فسق اور خلافِ مروت کاموں سے پاک ہو، متیقظ ہو، غافل نہ ہو۔ اور اگر اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتا ہو تو وہ حافظ ہو، اور

اگر کتاب سے حدیث بیان کرتا ہو تو اپنی کتاب کی نگہداشت رکھنے والا ہو، اور اگر روایت بالمعنیٰ کرتا ہو تو ان باتوں کو جانتا ہو جن سے معانی بدلتے ہوں۔"

تشریح

تیئیسویں صفاتِ راوی کا بیان

تیئیسویں قسم، ان صفات کے بیان میں ہے جن کی وجہ سے راوی کی روایت کو قبول کیا جاتا ہے، اور ان اُمور کے بیان میں ہے جن کا اس سے تعلق ہے، یعنی اس قسم کے اندر مصنفؒ ان اوصاف کو بیان فرمائیں گے کہ جب وہ اوصاف کسی راوی کے اندر پائے جائیں گے تو اس کی روایت قابلِ قبول ہوگی، اور اگر وہ اوصاف نہ پائے جائیں تو روایت ناقابلِ قبول ہوگی، اور اس کے متعلق دیگر امور۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مصنف نے بارہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مسئلہ

قوله: إحداها: أجمع الجماهير الخ

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جمہورِ فقہاءؒ اور محدثینؒ کا اس بات پر اجماع ہے کہ راوی کی حدیث کو قبول کرنے کے لیے راوی کا عادل اور ضابط ہونا ضروری ہے، جس راوی میں یہ دونوں صفتیں ہوں گی اس کی روایت قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔

عادل ہونے کا مطلب

عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہٰذا کافر نکل گیا، بالغ ہو، لہٰذا نابالغ نکل گیا، عاقل ہو، لہٰذا مجنون نکل گیا، اسبابِ فسق سے پاک ہو، اس سے فاسق

نقل کیا اور خلاف مروّت کاموں سے پاک ہو، یعنی ایسے کام جو شرعاً وعرفاً مروّت کے خلاف سمجھے جاتے ہوں جیسے راستے میں پیشاب کے لئے بیٹھ جانا، راستے میں چلتے پھرتے کھانا پینا وغیرہ یا آوارہ و اوباش قسم کے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا، ان سب سے بچنا ضروری ہے۔

اسی طرح جو اُمور انسان کو فاسق بنانے والے ہیں، ان سے بچنا بھی ضروری ہے مثلاً کبائر کا ارتکاب کرنا، صغائر پر اصرار کرنا، شراب پینا، جھوٹ بولنا وغیرہ۔

ان تمام باتوں سے پاک ہو تو وہ عادل ہے۔

ضابط ہونے کا مطلب

ضابط ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق مصنفؒ نے تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱)....ضبط بالصدر

(۲).... ضبط بالکتابة

(۳).... روایة بالمعنٰی

(۱)....ضبط بالصدر

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے حافظے سے حدیث بیان کرتا ہو تو اسے خوب اچھی طرح حدیثیں یاد ہونی چاہئیں کہ جب بھی اسے کہا جائے کہ حدیث سناؤ تو وہ فر فر اور صحیح صحیح احادیث سنا دے، اسکو سوچنا نہ پڑے، جیسے پکا حافظِ قرآن ہوتا ہے۔

(۲).... ضبط بالکتابة

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کتاب میں دیکھ کر حدیث بیان کرتا ہے جیسا کہ پہلے زمانے میں محدثینؒ کے پاس اپنی اپنی کتاب ہوتی تھی، تو وہ اصل کتاب کی پوری

طرح نگرانی کرنے والا ہو کہ کہیں اس میں تغیر وتبدل نہ ہو۔

(۳)..... روایة بالمعنیٰ

اور اگر وہ روایة بالمعنیٰ کرتا ہو تو وہ ان باتوں کو جانتا ہو جس سے حدیث کے معنیٰ بدل جاتے ہیں۔

متن

اَلثَّانِيَةُ: تَثْبُتُ الْعَدَالَةُ بِتَنْصِيْصِ عَدْلَيْنِ عَلَيْهَا أَوْ بِالْاِسْتِفَاضَةِ فَمَنِ اشْتَهَرَتْ عَدَالَتُهُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَ شَاعَ الثَّنَاءُ عَلَيْهِ بِهَا كَفٰى فِيْهَا كَمَالِكٍ وَ السُّفْيَانَيْنِ وَ الْأَوْزَاعِيِّ وَ الشَّافِعِيِّ وَ أَحْمَدَ وَ أَشْبَاهِهِمْ. وَ تَوَسَّعَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِيْهِ فَقَالَ: كُلُّ حَامِلِ عِلْمٍ مَعْرُوْفِ الْعِنَايَةِ بِهٖ مَحْمُوْلٌ أَبَدًا عَلَى الْعَدَالَةِ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ جَرْحُهُ وَ قَوْلُهُ هٰذَا غَيْرُ مَرْضِيٍّ.

ترجمہ

دوسرا مسئلہ، راوی کی عدالت ثابت ہوگی دو عادلوں کی تصریح سے یا شہرت سے۔ لہٰذا جس راوی کی عدالت اہلِ علم میں ثابت اور مشہور ہو اور اس کی اچھی تعریف لوگوں میں معروف ہو جیسے حضرت امام مالکؒ سفیان ثوریؒ سفیان ابن عیینہؒ، اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور انکی طرح دیگر حضرات محدثینؒ وغیرہ تو یہ ان کی عدالت کیلئے کافی

ہے۔ اور امام ابن عبدالبر نے اسمیں مزید توسّع سے کام لیا ہے کہ ہر
حاملِ علم جس کا علم کے ساتھ اہتمام واشتغال معروف ہو وہ ہمیشہ
کے لیے عدالت پر محمول ہوگا، یہاں تک کہ اس کی جرح واضح
ہو جائے، لیکن ان کا یہ قول پسندیدہ نہیں ہے۔"

تشریح

دوسرا مسئلہ، راوی کا عادل ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ راوی کا عادل ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ فرمایا کہ اس کے لیے دو باتوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، اس سے راوی کا عادل ہونا ثابت ہو جائے گا۔

(۱)....پہلی بات یہ ہے کہ دو عادل آدمی اس کے عادل ہونے کی صراحت اور وضاحت کریں، تو وہ عادل ہوگا۔

(۲)....دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اس کا عادل ہونا مشہور و معروف ہو اور اہلِ علم میں اس کی اچھی تعریف پائی جاتی ہو، جیسے حضرت امام مالکؒ سفیان ثوریؒ و ابن عیینہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، علی بن مدینیؒ وغیرہ حضرات، ان کے بارے میں تعدیل کرنے کی ضرورت نہیں، اور ان جیسے حضرات میں عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع ابن الجراحؒ، حضرت لیثؒ اور حضرت شعبہؒ بھی ہیں۔

قوله: وتوسع ابن عبدالبر فيه

علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس سلسلے میں بہت توسع سے کام لیا ہے کہ ہر ایسے شخص کو عادل سمجھا جائے گا جو حاملِ علم ہے اور علمِ دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، یہاں

تک کہ اس کا مجروح ہونا ظاہر ہو جائے۔

لیکن امام نوویؒ نے فرمایا کہ ان کا یہ قول پسندیدہ نہیں ہے۔

متن

اَلثَّالِثَةُ: يُعْرَفُ ضَبْطُهُ بِمُوَافَقَتِهِ الثِّقَاتِ الْمُتْقِنِيْنَ غَالِبًا وَ لَا تَضُرُّ مُخَالَفَتُهُ النَّادِرَةُ فَإِنْ كَثُرَتْ اِخْتَلَّ ضَبْطُهُ وَ لَمْ يُحْتَجَّ بِهِ.

ترجمہ

تیسرا مسئلہ: راوی کا ضبط اکثر و بیشتر ثقات متقنین کی موافقت سے معلوم ہوتا ہے اور راوی کا ثقات کی کبھی کبھار مخالفت کرنا اس کی عدالت کے لیے مضر نہیں ہے، لیکن اگر اس کی مخالفت زیادہ ہوگی تو اسکا ضبط ناقص ہو جائے گا اور اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔"

تشریح

تیسرا مسئلہ، راوی کا ضابط ہونا کیسے معلوم ہوگا؟

قولہ: یعرف ضبطه بموافقته الثقات۔

راوی کا ضابط ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر راوی اکثر اوقات ثقات و متقنین کی روایات میں ان کی موافقت کرتا ہو تو وہ ضابط شمار ہوگا، اگر چہ بعض اوقات مخالفت بھی ہو جائے تو وہ مضر نہیں، لیکن اگر وہ اکثر ثقات کی

مخالفت کرتا ہے اور موافقت کم کرتا ہے تو پھر وہ ضابط نہیں ہوگا، اور اس کی حدیث قابلِ استدلال نہیں ہوگی۔

متن

اَلرَّابِعَةُ: يُقْبَلُ التَّعْدِيْلُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ سَبَبِهِ عَلَى الصَّحِيْحِ الْمَشْهُوْرِ وَلَا يُقْبَلُ الْجَرْحُ إِلَّا مُبَيَّنَ السَّبَبِ وَ أَمَّا كُتُبُ الْجَرْحِ وَ التَّعْدِيْلِ الَّتِىْ لَا يُذْكَرُ فِيْهَا سَبَبُ الْجَرْحِ فَفَائِدَتُهَا التَّوَقُّفُ فِيْمَنْ جَرَحُوْهُ فَإِنْ بَحَثْنَا عَنْ حَالِهٖ وَ انْزَاحَتْ عَنْهُ الرِّيْبَةُ وَ حَصَلَتِ الثِّقَةُ بِهٖ قَبِلْنَا حَدِيْثَهٗ كَجَمَاعَةٍ فِى الصَّحِيْحَيْنِ بِهٰذِهِ الْمَثَابَةِ.

ترجمہ

چوتھا مسئلہ: صحیح اور مشہور قول کے مطابق کسی راوی کی تعدیل اس کے سبب کو ذکر کیے بغیر بھی قبول کی جائے گی، اور جرح سبب کو بیان کیے بغیر قبول نہیں کی جائے گی، البتہ کتبِ جرح اور کتبِ تعدیل جن میں سببِ جرح کو ذکر نہیں کیا جاتا سو ان کا فائدہ یہ ہے کہ جن راویوں پر جرح کی گئی ہے ان کی روایت میں ہم توقف کریں گے، پھر اگر ہم نے ان کے راویوں کے متعلق بحث کی اور ان سے شبہ

زائل ہوگیا اور ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوگیا تو ہم ان کی احادیث کو قبول کریں گے جیسے صحیحین میں بھی ایک جماعت اس طرح ہے۔

تشریح

چوتھا مسئلہ، تعدیل من غیر ذکر سبب معتبر ہے

قولہ: یقبل التعدیل من غیر ذکر سببه الخ

چوتھا مسئلہ جرح وتعدیل کے بیان میں ہے۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ تعدیل من غیر ذکر سببہ معتبر ہے، یعنی کسی راوی کو اگر عادل کہا جارہا ہے تو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ عادل کیوں ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسبابِ عدالت بے شمار ہیں، ان سب کا بتانا تکلیف مالایطاق ہے، لہٰذا اگر صرف دو عادل آدمی کسی راوی کے بارے میں کہہ دیں کہ یہ عادل ہے اور عادل ہونے کی وجہ بیان نہ کریں، تب بھی کافی ہے۔

لیکن جرح کے اندر جرحِ مبہم کافی نہیں، بلکہ جرحِ مفسّر ضروری ہے، یعنی جرح کرنے کیساتھ ساتھ اس کا سبب بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ جرح کس وجہ سے ہے، فسق کی وجہ سے یا تہمتِ کذب، فحشِ غلط یا کثرتِ غفلت کی وجہ سے ہے، کیونکہ اسبابِ جرح محدود ہیں، ان کا بتانا کوئی مشکل نہیں ہے، لہٰذا تعدیل من غیر ذکر سببہ تو معتبر ہے، لیکن جرحِ مبہم معتبر نہیں ہے، بلکہ جرحِ مفسّر کا ہونا ضروری ہے، یہی قول صحیح ہے۔

قولہ: وأما کتب الجرح والتعدیل

یہاں سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

اعتراض

آپ نے کہا کہ جرحِ مبہم معتبر نہیں، اگر آپ کی یہ بات تسلیم کرلیں تو جرح و تعدیل کی ساری کتابیں بے فائدہ ہوجائیں گی، کیونکہ ان کے اندر جرح کا سبب بیان نہیں ہوتا۔

جواب

یہ کتابیں غیر مفید نہیں، بلکہ مفید ہیں، کیونکہ جب ہم ان کتابوں میں کسی راوی پر جرح دیکھیں گے تو ایک دم حکم نہیں لگائیں گے، بلکہ توقف کریں گے، اور اس کی تحقیق کریں گے کہ جرح کیوں کی گئی ہے؟ پھر اگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جرح غلط ہے اور وہ راوی ثقہ ہے تو اس کی روایات مقبول ہونگی، اور اگر تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ جرح صحیح ہے تو اسکی روایت قبول نہیں کریں گے، لہٰذا یہ کتابیں بے فائدہ نہیں ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ صحیحین کے اندر بھی حضراتِ محدثینؒ کی ایک جماعت ایسی ہے کہ ان پر مبہم جرح کی گئی ہے، لیکن ان سے احادیث لی گئی ہیں، جیسے عکرمہؒ، مولیٰ ابن عباسؓ، اور عمرو بن مرزوق، جن پر جرحِ مبہم ہے، لیکن اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ان سے حدیث لی ہے، اس طرح سوید بن سعید پر جرحِ مبہم ہے، لیکن اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے حضرت امام مسلمؒ نے ان کی روایات سے استدلال کیا ہے۔

متن

اَلْخَامِسَةُ: اَلصَّحِيْحُ أَنَّ الْجَرْحَ وَ التَّعْدِيْلَ يَثْبُتَانِ بِوَاحِدٍ وَ قِيْلَ: لَا بُدَّ مِنَ اثْنَيْنِ وَ إِذَا اجْتَمَعَ فِيْهِ

جَرْحٌ وَ تَعْدِيْلٌ فَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ وَ قِيْلَ: إِنْ زَادَ الْمُعَدِّلُوْنَ قُدِّمَ التَّعْدِيْلُ وَ إِذَا قَالَ: حَدَّثَنِي الثِّقَةُ أَوْ نَحْوُهُ لَمْ يُكْتَفَ بِهِ عَلَى الصَّحِيْحِ، وَ قِيْلَ: يُكْتَفٰى فَإِنْ كَانَ الْقَائِلُ عَالِمًا كَفٰى فِيْ حَقِّ مُوَافِقِهٖ فِي الْمَذْهَبِ عِنْدَ بَعْضِ الْمُحَقِّقِيْنَ وَ إِذَا رَوَى الْعَدْلُ عَمَّنْ سَمَّاهُ لَمْ يَكُنْ تَعْدِيْلاً عِنْدَ الْأَكْثَرِيْنَ هُوَ الصَّحِيْحُ، وَ قِيْلَ: هُوَ تَعْدِيْلٌ وَ عَمَلُ الْعَالِمِ وَ فُتْيَاهُ عَلٰى وِفْقِ الْحَدِيْثِ رِوَاهُ لَيْسَ حُكْمًا بِصِحَّتِهٖ وَ لَا مُخَالَفَتُهٗ قَدْحٌ فِيْ صِحَّتِهٖ وَ لَا فِيْ رِوَايَتِهٖ.

ترجمہ

پانچواں مسئلہ: صحیح قول یہ ہے کہ جرح وتعدیل دونوں کسی ایک جارح یا تعدیل کرنے والے کے قول سے ثابت ہوسکتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ کم سے کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، اور جب کسی راوی میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہوجائیں تو جرح مقدم ہوگی، اور کہا گیا ہے کہ اگر تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں تو پھر تعدیل کو مقدم کریں گے، اور جب کوئی محدث کہے کہ مجھ سے ثقہ نے بیان کیا ہے یا اس کی مثل کوئی اور لفظ کہے تو صحیح قول کے مطابق اس پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ اس پر اکتفاء کیا جائے گا، پھر اگر یہ کہنے والا عالم

ہوتو جو مذہب میں اسکے موافق ہوں انکے حق میں یہ کہنا کافی ہوگا بعض محققین کے نزدیک۔ اور جب عادل ان لوگوں سے روایت کرے جن کا اس نے نام لیا ہوتو اکثر علماء کے نزدیک یہ تعدیل نہیں ہوگی، اور یہی قول صحیح ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ تعدیل شمار ہوگی۔ اور کسی عالم کا کسی حدیث پر عمل کرنا یا کسی ایسی حدیث کے مطابق فتویٰ دینا جس کو اس نے روایت کیا ہوتو یہ اس حدیث کی صحت کا حکم نہیں ہوگا، لہٰذا اس حدیث کی مخالفت کرنا اس حدیث کی صحت میں یا اسکے راویوں میں کوئی عیب شمار نہیں ہوگا۔"

تشریح

پانچواں مسئلہ جرح وتعدیل کے متعلق

ایک شخص کی جرح وتعدیل کافی ہے

قوله: الخامسة: الصحيح أن الجرح والتعديل الخ

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق جرح وتعدیل ایک شخص سے ثابت ہوسکتی ہے، دو کا ہونا ضروری نہیں، یعنی ایک جرح کرنے والا، یا ایک تعدیل کرنے والا کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کردے تو یہ جرح وتعدیل معتبر ہوگی، اور یہی صحیح ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ کم ازکم دو کا ہونا ضروری ہے، لیکن یہ قول مرجوح ہے، کیونکہ روایت اور شہادت میں فرق ہے، مثلاً شہادت میں دو کا عدد ضروری ہے، روایت میں نہیں، اسی طرح شہادت میں آزاد ہونا ضروری ہے، جبکہ روایت غلام بھی

کرسکتا ہے، اسی طرح شہادت میں جب دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں، اور روایت میں ایک عورت کی روایت بھی قبول ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے فرق ہیں، لہٰذا دو کا عدد ضروری نہیں، بلکہ ایک جارح یا معدِّل کی جرح وتعدیل بھی معتبر ہوگی۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس روایت میں دو حیثیتیں ہیں: یا تو یہ خبر ہے، یا بمنزلہ حکم کے ہے، لہٰذا اگر یہ خبر ہے تو خبر میں دو کا عدد ضروری نہیں اور اگر یہ بمنزلہ حکم ہے تو قاضی اور حاکم کا بھی دو ہونا ضروری نہیں، ایک بھی کافی ہے۔ تو دونوں اعتبار سے دو کا عدد ضروری نہیں، بلکہ ایک آدمی کی جرح وتعدیل بھی معتبر ہوگی۔

قوله: وإذا اجتمع فيه جرح وتعديل الخ

کسی راوی پر جرح وتعدیل دونوں ہونے کا حکم

اگر کوئی راوی ایسا ہو کہ اس پر جرح بھی کی گئی ہو اور اس کی تعدیل بھی کی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں حضرات محدثینؒ کے تین قول ہیں! ان میں سے دو قول امام نوویؒ نے ذکر فرمائے ہیں اور ایک قول علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ذکر کیا ہے۔

پہلا قول

اصح قول یہ ہے کہ جرح مقدم ہوگی، اور اس راوی کو مجروح قرار دیا جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو لوگ عادل قرار دے رہے ہیں، وہ ظاہر کے اعتبار سے تعدیل کر رہے ہیں، کیونکہ عدالت کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے، اور جو مجروح قرار دے رہے ہیں، وہ باطن کے اعتبار سے ہے، کیونکہ جرح کا تعلق باطن سے ہے، تو جارحین کا علم بہ نسبت معدلین کے زیادہ ہے، کیونکہ معدلین کے پاس باطن کا علم نہیں ہے، لہٰذا

جرح مقدم ہوگی، جمہور علماء فقہاء ومحدثین اور علماءِ اصول کا یہی مسلک ہے۔

دوسرا قول

کثرت کو دیکھیں گے کہ کثرت کس طرف ہے؟ مثلاً اگر اکثر افراد تعدیل کرنے والے ہیں تو تعدیل راجح ہوگی اور راوی عادل شمار ہوگا، کیونکہ عادل قرار دینے والوں کی کثرت ان کے مؤقف کو مضبوط کر رہی ہے، اور جرح کرنے والوں کی قلت ان کے مؤقف کو کمزور کر رہی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں تعدیل مقدم ہوگی، لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

تیسرا قول

احفظ کو ترجیح دیں گے، یعنی اگر معدّلین احفظ ہیں تو تعدیل مقدم ہوگی، اور اگر جارحین احفظ ہیں تو جرح مقدم ہوگی، لیکن یہ قول بھی مرجوح ہے۔

قوله: وإذا قال: حدثني الثقة الخ

تعدیلِ مبہم کا حکم

یہاں سے مصنفؒ تعدیلِ مبہم کا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی راوی کے بارے میں تعدیلِ مبہم کرے، مثلاً یوں کہے کہ "حدثني ثقة أو عدل" اور وہ اس مروی عنہ کا نام ذکر نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا اس تعدیل سے راوی کو عادل قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول

پہلا قول یہ ہے کہ اس مبہم تعدیل پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، اور اس کی بنیاد پر راوی کو عادل قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مروی عنہ اس راوی کے نزدیک تو ثقہ ہو، لیکن جب وہ اسے ظاہر کرے تو دوسرے تنقید کرنے والے حضرات

نے اس پر مفصل جرح کی ہو، اور ان کے نزدیک وہ مجروح ہو، لہٰذا محض تعدیلِ مبہم کافی نہیں ہے، اور یہی قول صحیح ہے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ تعدیلِ مبہم کافی ہے، لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

عالم کی تعدیلِ مبہم کا حکم

قولہ: فإن كان القائل عالما الخ

اسکے بعد فرمایا کہ اگر کوئی عالم تعدیلِ مبہم کرے اور عالم سے مراد امامِ مجتہد ہے، جیسا کہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ وغیرہ، تو اگر ایسا عالم تعدیلِ مبہم کرے تو بعض محققین کے نزدیک انکی یہ تعدیل انکے متبعین کے حق میں معتبر مانی جائیگی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ امام جو تعدیل کر رہے ہیں، یہ بطورِ استدلال کے نہیں کر رہے، بلکہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس راوی کی روایت مقبول اور حجت ہے، لہٰذا ان کی تعدیل صرف ان کے متبعین کے حق میں معتبر ہوگی۔

دیگر جزئیات

عادل راوی کا مروی عنہ کا نام ذکر کرنے کا حکم

قولہ: وإذا روى العدل عمن سماه لم يكن تعديلا الخ

مصنفؒ نے یہاں ایک اہم مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر راوی عادل ہو، اور روایت کرتے وقت مروی عنہ کا نام بھی ذکر کرے، تو آیا اس عادل راوی کا اس معین مروی عنہ سے روایت کرنا، اس معین مروی عنہ کے حق میں تعدیل سمجھا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلے میں تین قول ہیں، دو قول امام نوویؒ نے ذکر فرمائے ہیں اور تیسرا

قول حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ذکر کیا ہے۔

پہلا قول

اکثر حضرات محدثینؒ کے نزدیک یہ تعدیل نہیں ہوگی اور یہی قول صحیح ہے، اس لئے کہ عادل کی روایت غیر عادل سے جائز ہے اور بعض مرتبہ آدمی کسی شخص کی روایت پر باوجودیکہ وہ عادل نہیں ہوتا، کسی اور دلیل کی بنیاد پر احتیاطاً عمل کر لیتا ہے، لہٰذا کسی عادل کا معین مروی عنہ سے روایت کرنا اس مروی عنہ کے حق میں تعدیل نہیں ہوگا۔

دوسرا قول

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تعدیل ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ معین مروی عنہ اس عادل کے نزدیک مجروح ہوتا تو وہ عادل اس پر جرح کر دیتا، لیکن جب اس نے جرح نہیں کی تو معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک یہ مروی عنہ عادل ہے۔

لیکن یہ قول ضعیف ہے اور ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ عادل کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جس سے وہ روایت کر رہا ہے، وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ، اور جب اسے معلوم ہی نہیں تو پھر یہ تعدیل کس طرح سمجھی جائے گی؟

تیسرا قول

وہ عادل جس نے اس مروی عنہ سے روایت کی ہے، اگر وہ صرف عادل راویوں سے روایت کرتا ہے تو پھر یہ تعدیل ہوگی ورنہ نہیں ہوگی، اور اس قول کو بعض علماء نے اختیار کیا ہے، جیسے امام ابن حاجبؒ اور امام آمدیؒ وغیرہ۔

عالم کا عمل اور فتویٰ حدیث کے مطابق ہونے کا حکم

قوله: وعمل العالم و فتياه على وفق الحديث الخ

کسی عالم کا کسی ایسی حدیث پر عمل کرنا جو اس نے روایت کی ہو، یا اس کے مطابق فتویٰ دینا، اس حدیث کی صحت کا حکم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، اور اس میں چار قول ہیں:

(۱)....یہ اس حدیث کی تصحیح نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس حدیث پر احتیاطاً یا کسی اور دلیل کی بنیاد پر عمل کررہا ہو۔

(۲)....علامہ آمدیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عالم کا اس حدیث کے مطابق عمل کرنا یا اس کے مطابق فتویٰ دینا، اس حدیث کی صحت کا حکم ہوگا۔

(۳)....امام الحرمینؒ فرماتے ہیں کہ اگر عالم کا عمل بوجہِ احتیاط نہ ہو تو یہ حدیث کی صحت کا حکم ہوگا۔

(۴)....علامہ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حدیث ترغیب وترہیب کے متعلق ہو تو پھر عالم کا عمل کرنا یا فتویٰ دینا، اس حدیث کی صحت کا حکم نہیں ہوگا، اور اگر وہ حدیث احکام سے متعلق ہو تو پھر صحت کا حکم ہوگا۔

ان چاروں میں سے پہلا قول راجح ہے۔

کسی عالم کا حدیث کے خلاف کرنے کا حکم

قولہ: ولامخالفته قدح فی صحته الخ

جس طرح عالم کا اپنی حدیث پر عمل کرنا، یا اس کے مطابق فتویٰ دینا اس حدیث کی صحت کا حکم نہیں، اسی طرح عالم کا اپنی حدیث کی مخالفت کرنا، اس حدیث میں عیب پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی یہ اس حدیث کے راویوں پر جرح ہوگی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ مخالفت کسی مانع یا عارض کی وجہ سے کی گئی ہو۔

متن

اَلسَّادِسَةُ: رِوَايَةُ مَجْهُوْلِ الْعَدَالَةِ ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا لَا تُقْبَلُ عِنْدَ الْجَمَاهِيرِ وَ رِوَايَةُ الْمَسْتُوْرِ وَ هُوَ عَدْلُ الظَّاهِرِ خَفِيُّ الْبَاطِنِ يَحْتَجُّ بِهَا بَعْضُ مَنْ رَدَّ الْأُوَّلَ وَ هُوَ قَوْلُ بَعْضِ الشَّافِعِيِّيْنَ، قَالَ الشَّيْخُ: يُشْبِهُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ فِيْ جَمَاعَةٍ مِنَ الرُّوَاةِ تَقَادَمَ الْعَهْدُ بِهِمْ وَ تَعَذَّرَتْ خِبْرَتُهُمْ بَاطِنًا. وَ أَمَّا مَجْهُوْلُ الْعَيْنِ فَقَدْ لَا يَقْبَلُهُ بَعْضُ مَنْ يَقْبَلُ مَجْهُوْلَ الْعَدَالَةِ، ثُمَّ مَنْ رَوٰى عَنْهُ عَدْلَانِ عَيَّنَاهُ اِرْتَفَعَتْ جَهَالَةُ عَيْنِهِ. قَالَ الْخَطِيْبُ: اَلْمَجْهُوْلُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْهُ الْعُلَمَاءُ وَ لَا يُعْرَفُ حَدِيْثُهُ إِلَّا مِنْ جِهَةٍ وَّاحِدٍ وَ أَقَلُّ مَا يَرْفَعُ الْجَهَالَةَ رِوَايَةُ اثْنَيْنِ مَشْهُوْرَيْنِ وَنَقَلَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ عَنْ أَهْلِ الْحَدِيْثِ نَحْوَهُ، قَالَ الشَّيْخُ رَدًّا عَلَى الْخَطِيْبِ: وَ قَدْ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ وَ مُسْلِمٌ عَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ وَ

لَمْ يَرْوِ مِنْهُمَا غَيْرُ وَاحِدٍ وَ الْخِلَافُ فِيْ ذٰلِكَ مُتَّجِهٌ كَالْاِكْتِفَاءِ بِتَعْدِيْلِ وَاحِدٍ. وَ الصَّوَابُ نَقْلُ الْخَطِيْبِ وَ لَا يَصِحُّ الرَّدُّ عَلَيْهِ بِمِرْدَاسٍ وَ رَبِيْعَةَ، فَإِنَّهُمَا صَحَابِيَّانِ مَشْهُوْرَانِ وَ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ.

ترجمہ

چھٹا مسئلہ، جمہور علماء کے نزدیک مجہول العدالۃ ظاہراً و باطناً راوی کی روایت مقبول نہیں ہے، اور مستور الحال (جو کہ عدل الظاہر و خفی الباطن ہے) راوی کی روایت سے بعض وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جنہوں نے اوّل کو ردّ کیا ہے، اور یہ بعض شوافع کا قول ہے، شیخ حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کتبِ حدیث کے بہت سارے ان راویوں کے بارے میں عمل ہوسکتا ہے جن پر کافی زمانہ گزر گیا ہو اور اب ان کے باطنی احوال معلوم کرنا متعذر ہو گیا ہو۔ اور مجہول العین راوی کی روایت کو بعض وہ حضرات قبول نہیں کرتے جو مجہول العدالۃ کی روایت کو قبول کرتے ہیں، پھر اگر کسی مجہول العین راوی سے دو راوی روایت کرتے ہوئے اس کو متعین کردیں، تو اس کی جہالتِ عین ختم ہوجائے گی۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مجہول راوی اہلِ حدیث کے نزدیک وہ شخص ہے جس کو علماء جانتے نہ ہوں، اور اس کی حدیث صرف ایک جہت سے معلوم ہو، اور کم سے کم جو چیز جہالت کو ختم کرتی ہے، وہ مشہور راویوں کا روایت کرنا ہے اور ابن عبدالبرؒ نے بھی محدثینؒ سے یہی نقل کیا ہے۔ لیکن

شیخ حافظ ابن الصلاحؒ خطیب بغدادیؒ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے مرداس اسلمیؓ اور امام مسلمؒ نے ربیعہ بن کعبؓ سے روایت کی ہے، اور حال یہ ہے کہ ان سے صرف ایک ایک راوی روایت کرتا ہے، اور اس میں اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آدمی کی تعدیل پر اکتفاء کرنے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح وہ ہے جو خطیب بغدادیؒ نے نقل کیا ہے، اور مرداسؓ اور ربیعہؓ کے ساتھ ان پر رد کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں مشہور صحابیؓ ہیں، اور صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں۔

تشریح

چھٹا مسئلہ اور تین مسائل

یہاں سے مصنفؒ چھٹا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں اور اس میں تین مسئلے بیان فرمائیں گے!

(۱)....مجھول العدالۃ ظاھرًا وَباطنًا راوی کا حکم

(۲)....مستور الحال راوی کا حکم

(۳)....مجھول العین راوی کا حکم

لیکن اس سے پہلے ان اسباب کا سمجھنا ضروری ہے جن کی وجہ سے راوی مجہول ہوتا ہے، اور وہ اسباب تین ہیں۔

جہالتِ راوی کے تین اسباب

(۱)....کثرتِ صفات

راوی کی صفات زیادہ ہوں، یعنی اس کا اسم بھی ہو، کنیت بھی ہو، لقب بھی ہو،

صفت بھی ہو، حرفت اور نسب بھی ہو، پھر وہ ان میں سے ایک کیساتھ مشہور ہو جائے، اور کوئی شخص اس کو غیر مشہور صفت وغیرہ کے ساتھ ذکر کرے تو اس کو دوسرا راوی سمجھا جاتا ہے، جیسے محمدبن السائب بن بشر الکلبی، اب کوئی اس کو محمد بن بشر کہتا ہے اور کوئی ابو بکر بن النضر کہتا ہے۔

(۲)....روایات کا کم ہونا

دوسرا سبب روایات کا کم ہونا ہے کہ قلّتِ روایات کی بناء پر بعض اوقات اس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہوتا ہے، جس کی بناء پر وہ مجہول ہو جاتا ہے، جیسے ابو العشر الدارمی یہ تابعی ہیں، لیکن حماد بن سلمہؒ کے علاوہ کوئی اور محدث ان سے روایت نہیں کرتا۔

(۳)....راوی کا نام ذکر نہ کرنا

تیسرا سبب جہالتِ راوی کا یہ ہے کہ اختصار کی وجہ سے راوی کا نام ذکر نہ کیا جائے، جیسے اخبرنی شیخ او ثقة.

(۱) مجهول العدالة ظاهرًا وَباطنًا راوی

وہ راوی جس کی عدالت معلوم نہ ہو، نہ ظاہرًا نہ باطنًا۔

اسکے بارے میں جمہور محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اسکی روایت قبول نہیں کیجائے گی۔

(۲)....مستور الحال راوی

مستور الحال اس راوی کو کہتے ہیں جو ظاہرًا عادل ہو، باطنًا عادل ہے یا نہیں، یہ معلوم نہ ہو، یعنی ظاهر العدالة خفی الباطن ہو۔

مستور الحال راوی کی روایت مقبول ہوگی یا نہیں؟ بعض شوافع کے نزدیک

اسکی روایت مقبول ہوگی، کیونکہ ظاہراً تو وہ عادل ہے، لہٰذا اس کے ساتھ حسنِ ظن کا معاملہ کرتے ہوئے اسے باطناً بھی عادل سمجھا جائے گا۔

اسی قول کی بناء پر شیخؒ نے فرمایا کہ اس قول پر ہم کتب حدیث کے بہت سے ایسے راویوں کے بارے میں عمل کر سکتے ہیں کہ مدتیں گزر گئیں اور ان راویوں کے باطن کا پتہ نہیں چل سکا، یعنی اس قول کی بناء پر ہم ایسے راویوں کو عادل سمجھ سکتے ہیں اور اس کی روایت قبول کر سکتے ہیں اور یہ قول صحیح ہے۔

(۳)....مجهول العين راوی

مجهول العين وہ راوی ہے جس کی ذات معلوم نہ ہو سکے، جیسے " أخبرني رجل یا أخبرني فلان" اب رجل اور فلان سے کون مراد ہے؟ معلوم نہیں، اس کی روایت مقبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱)....جمہور اہلِ حدیث کا مذہب یہ ہے کہ مجہول العین راوی کی روایت مطلقاً مردود ہے۔

(۲)....بعض علماء کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے۔

(۳)....اگر مجہول العین سے روایت کرنے والے عادل اور ثقہ ہوں تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔

(۴)....اسکی روایت غیر مقبول ہے، لیکن اگر دو مشہور عادل اس سے روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جائے گی اور اس کی روایت مقبول ہوگی، یہی قول راجح ہے۔

مجہول العین راوی کون ہے؟

قوله: قال الخطيب: المجهول عند أهل الحديث الخ

مجہول العین راوی کون ہے؟ اس بارے میں خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ مجہول العین علماء کے نزدیک وہ راوی ہے جسے علماء نہ جانتے ہوں، اور اسکی احادیث صرف ایک راوی کی جہت سے معروف ہوں، یعنی اس سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہو، لہٰذا اگر کم از کم دو مشہور عادل اس سے روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جائے گی اور علامہ ابن عبد البرؒ نے بھی علماءِ حدیث سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔

خطیب بغدادی کے قول کی تردید

قوله: قال الشيخ ردًّا على الخطيب الخ

خطیب بغدادیؒ نے فرمایا تھا کہ مجہول العین وہ راوی ہے جس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہو، اس پر علامہ ابن الصلاحؒ نے خطیب بغدادیؒ کا رد کیا ہے، کہ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ پر اعتراض لازم آئے گا، کیونکہ امام بخاریؒ نے مرداس اسلمیؓ اور امام مسلمؒ نے ربیعہ بن کعبؓ سے روایت کی ہے اور ان دونوں سے روایت کرنے والے ایک ایک راوی ہیں، جب ایک راوی ہوا تو بقول آپ کے وہ مجہول العین ہونا چاہئے اور مجہول العین راوی ضعیف ہوتا ہے، حالانکہ بخاری و مسلم شریف میں ضعیف راوی نہیں ہیں، لہٰذا خطیب بغدادیؒ کی یہ بات درست نہیں ہے۔

امام نوویؒ کا فیصلہ

قوله: والصواب نقل الخطيب الخ

آخر میں امام نوویؒ نے خود فیصلہ فرمایا کہ خطیب بغدادیؒ نے درست فرمایا ہے اور علامہ ابن الصلاحؒ کی بات غلط ہے، کیونکہ مرداس اسلمیؓ اور ربیعہ بن کعبؓ دونوں صحابی ہیں اور صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں، لہٰذا اگر ان سے کوئی ایک بھی روایت

کرنے والا ہوتو وہ روایت مقبول ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ابن الصلاحؒ کا خطیب بغدادیؒ کی تردید کرنا درست نہیں۔

متن

فرع: يُقْبَلُ تَعْدِيلُ الْعَبْدِ وَ الْمَرْءَةِ الْعَارِفِيْنِ وَ مَنْ عُرِفَتْ عَيْنُهُ وَ عَدَالَتُهُ وَ جُهِلَ اسْمُهُ احْتُجَّ بِهِ. فَإِذَا قَالَ: أَخْبَرَنِيْ فُلَانٌ أَوْ فُلَانٌ وَ هُمَا عَدْلَانِ احْتُجَّ بِهِ فَإِنْ جُهِلَ عَدَالَةُ أَحَدِهِمَا أَوْ قَالَ فُلَانٌ أَوْ غَيْرُهُ لَمْ يُحْتَجَّ بِهِ.

ترجمہ

جزوی مسئلہ: غلام اور عورت جب جرح اور تعدیل کے اصولوں کو جانتے ہوں، تو ان دونوں کی تعدیل قبول کی جائے گی اور جس راوی کا عین اور عدالت معلوم ہو، اور اسکا نام مجہول ہو تو اس سے بھی استدلال کیا جائے گا، اور جب محدّث کہے کہ "أخبرني فلان أو فلان" اور دونوں عادل ہوں تو ان سے بھی استدلال کیا جائے گا اور اگر ان دونوں میں سے ایک کی عدالت مجہول ہو یا محدّث "أخبرني فلان أو غيره" کہے تو ان دونوں صورتوں میں ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔"

تشریح

جزوی مسئلہ میں تین مسائل

جرح اور تعدیل کے متعلق اِس فرع میں مصنّفؒ نے تین مسئلے بیان فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ

عورت اور غلام جرح وتعدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا کہ اگر عورت اور غلام عالم ہوں اور جرح وتعدیل کے اصول وقواعد سے واقف ہوں تو ان کی جرح وتعدیل مقبول ہوگی۔ امام نوویؒ، خطیبؒ بغدادی اور قاضی ابوبکرؒ کا یہی مذہب ہے۔

دوسرا مسئلہ

راوی کی ذات اور اس کا عادل ہونا معلوم ہو، اور نام اور نسب معلوم نہ ہو تو اسکی روایت بھی قبول ہوگی، اور اسکی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا جائے گا۔

اسی طرح جب کوئی راوی کہے کہ "أخبرني فلان أو فلان" اور دونوں راوی ثقہ اور عادل ہوں تو اس کی روایت قبول ہوگی اور اس کی روایت سے استدلال کرنا صحیح ہوگا، کیونکہ راوی کے نام کی جہالت عدالت میں مضر نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ

اگر راوی دو سے روایت کرے اور ان میں سے ایک کی عدالت مجہول ہو یا وہ کہے کہ "أخبرني فلان أو غيره" تو ان دونوں صورتوں میں روایت غیر مقبول ہوگی، کیونکہ دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ، کیونکہ وہ مجہول ہے، اس لئے اس صورت میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح غیر کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں؟ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں اس کی روایت غیر مقبول ہوگی۔

متن

اَلسَّابِعَةُ: مَنْ كُفِّرَ بِبِدْعَةٍ لَمْ يُحْتَجَّ بِهٖ بِالْاِتِّفَاقِ وَ مَنْ لَّمْ يُكَفَّرْ قِيْلَ: لَايُحْتَجُّ بِهٖ مُطْلَقًا وَ قِيْلَ: يُحْتَجُّ بِهٖ إِنْ لَّمْ يَكُنْ مِمَّنْ يَسْتَحِلُّ الْكِذْبَ فِيْ نُصْرَةِ مَذْهَبِهٖ أَوْ لِأَهْلِ مَذْهَبِهٖ وَ حُكِيَ عَنِ الشَّافِعِيِّ وَ قِيْلَ: يُحْتَجُّ بِهٖ إِنْ لَّمْ يَكُنْ دَاعِيَةً إِلٰى بِدْعَتِهٖ وَ لَايُحْتَجُّ بِهٖ إِنْ كَانَ دَاعِيَةً وَ هٰذَا هُوَ الْأَظْهَرُ الْأَعْدَلُ وَ قَوْلُ الْكَثِيْرِ أَوِ الْأَكْثَرِ وَضُعِّفَ الْأَوَّلُ بِاحْتِجَاجِ صَاحِبَيِ الصَّحِيْحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا بِكَثِيْرٍ مِنَ الْمُبْتَدِعَةِ غَيْرِ الدُّعَاةِ.

ترجمہ

ساتواں مسئلہ: جس شخص کی بدعت کی وجہ سے تکفیر کی گئی ہو تو اس کی روایت سے بالاتفاق استدلال نہیں کیا جائے گا، اور جس شخص کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی گئی ہو تو اس کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ اس کی روایت سے بھی مطلقاً استدلال نہیں کیا جائے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب یا اہلِ مذہب کی نصرت کے لئے

جھوٹ بولنا حلال نہ سمجھتا ہوتو اس کی روایت سے استدلال کیا جائیگا، اور یہی قول حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے، اور بعض نے کہا کہ اگر وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہوتو اسکی روایت سے استدلال کیا جائیگا، اور اگر وہ اپنی بدعت کی طرف داعی ہوتو استدلال نہیں کیا جائے گا، اور یہی قول بہت زیادہ واضح اور انصاف کے قریب ہے اور یہی کثیر یا اکثر علماء کا قول ہے۔ اور پہلا قول ضعیف ہے، اسلئے کہ بخاریؒ اور مسلمؒ اور دوسرے محدّثینؒ نے بہت سے ایسے مبتدعین کی روایات سے استدلال کیا ہے جو اپنی بدعت کی طرف داعی نہیں تھے۔

تشریح

ساتواں مسئلہ: بدعتی کی روایت کا حکم

یہاں سے مصنفؒ ساتواں مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بدعتی کی روایت قبول ہے یا نہیں؟

چنانچہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)....موجبِ کفر (۲)....موجبِ فسق

(۱)....موجبِ کفر بدعت

موجبِ کفر بدعت وہ بدعت ہے جس کے اختیار کرنے والے پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے، مثلاً دین کی کسی ایسی چیز کا انکار کرنا جس کا دین میں ہونا تواتر سے ثابت ہو، اور اس کا دین میں ہونا بدیہی ہو، یا کسی ایسی شے کا اعتقاد رکھنا جس کا دین میں نہ

ہونا تواتر سے ثابت ہو، جیسے بعض روافض کا عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ! حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ الٰہ اکبر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ الٰہ اصغر ہیں اور یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے، لانی تھی حضرت علیؓ کے پاس، غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، یا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی، اسے سچا سمجھے، یہ سب موجبِ کفر بدعات ہیں۔

لہٰذا جو راوی موجبِ کفر بدعت میں مبتلا ہوگا، اس کی روایت بالاتفاق غیر مقبول ہوگی۔

(۲)....موجبِ فسق بدعت

وہ بدعت جس کے اختیار کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہ دیا جاتا ہو۔

جو راوی موجبِ فسق بدعت میں مبتلا ہو اس کی روایت مقبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں!

پہلا قول

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت مطلقاً مردود ہوگی، کیونکہ مبتدع کی روایت قبول کرنے میں اس کی بدعت کی ترویج ہوگی اور اس کی تعظیم ہوگی، حالانکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم ہے۔

دوسرا قول

اگر مبتدع ایسا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید میں جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتا ہے، جیسے خطابیہ اور روافض، جنہوں نے اپنے مذہب کی ترویج کے لیے بے شمار احادیث گھڑی ہیں، اور جھوٹ بولنا ان کے یہاں نہ صرف حلال بلکہ تکملۂ ایمان ہے، تو ایسے

بدعتی کی روایت قابلِ استدلال نہیں ہوگی، اور اگر وہ اپنے مذہب کی تائید میں جھوٹ بولنے کو حلال نہیں سمجھتا تو اس کی روایت مقبول ہوگی اور اس کی روایت سے استدلال کرنا صحیح ہوگا۔

یہ قول حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا ہے۔

تیسرا قول

اس کی روایت قبول کی جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنے مذہب کا داعی نہ ہو، اگر وہ اپنے مذہب اور بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو پھر اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول سب سے زیادہ اظہر، اعدل اور اکثر علماء کا ہے۔

قوله: وضعف الأول باحتجاج صاحبی الصحیحین الخ

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول کہ موجبِ فسق بدعتی کی روایت مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی، ضعیف ہے، کیونکہ صحیحین کے اندر بہت سے ایسے بدعتی راویوں کی روایت لی گئی ہے جو داعی نہیں تھے، جیسے عمران بن حِطّان اور داؤد بن الحصین وغیرہ، لہٰذا اگر قولِ اول کی بناء پر ان کی روایات کو قبول نہ کیا جائے تو بخاریؒ و مسلمؒ پر اعتراض لازم آئے گا، لہٰذا پہلا قول ضعیف ہے۔

متن

اَلثَّامِنَةُ: تُقْبَلُ رِوَايَةُ التَّائِبِ مِنَ الْفِسْقِ إِلَّا الْكِذْبَ

فِيْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَلَا

يُقْبَلُ أَبَدًا وَ إِنْ حَسُنَتْ طَرِيْقُهُ، كَذَا قَالَهُ أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ وَالْحُمَيْدِيُّ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ وَ الصَّيْرَفِيُّ الشَّافِعِيُّ. قَالَ الصَّيْرَفِيُّ: كُلُّ مَنْ أَسْقَطْنَا خَبَرَهُ بِكِذْبٍ لَمْ نَعُدْ لِقُبُوْلِهِ بِتَوْبَةٍ وَ مَنْ ضَعَّفْنَاهُ لَمْ نُقَوِّهِ بَعْدَهُ بِخِلَافِ الشَّهَادَةِ، وَ قَالَ السَّمْعَانِيُّ: مَنْ كَذَبَ فِيْ خَبَرٍ وَّاحِدٍ وَجَبَ إِسْقَاطُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ حَدِيْثِهِ، قُلْتُ: هٰذَا كُلُّهُ مُخَالِفٌ لِقَاعِدَةِ مَذْهَبِنَا وَ مَذْهَبِ غَيْرِنَا وَ لَا نُقَوِّيْ الْفَرْقَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الشَّهَادَةِ.

ترجمہ

آٹھواں مسئلہ: فسق سے توبہ کرنے والے کی روایت کو قبول کیا جائے گا، بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جھوٹ بولنے والے کے، کہ اس کی روایت کو کبھی بھی قبول نہیں کیا جائے گا، اگرچہ وہ توبہ کرلے، اور اس کی اصلاح ہوجائے، یہ قول حضرت امام احمد بن حنبل، امام ابوبکر حمیدیؒ شیخ البخاریؒ اور امام ابوبکر الصیرفی الشافعیؒ سے منقول ہے۔ امام صیرفیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ہروہ راوی جس کی خبر کہ ہم جھوٹ کی وجہ سے ساقط کرتے ہیں، پھر ہم اس کے توبہ کرنے کیوجہ سے اس کے قبول کرنے کی طرف نہیں لوٹتے، اور جسکو ہم ضعیف قرار دیتے ہیں پھر ہم انکی تقویت نہیں کرتے، اور یہ

بات شہادت کیخلاف ہے۔ اورامام سمعانیؒ فرماتے ہیں کہ جوراوی کسی ایک حدیث میں جھوٹ بولے تو اس کی پچھلی تمام روایات ساقط ہو جائیں گی، میں کہتا ہوں کہ یہ ہمارے اور غیروں کے مذہب کیخلاف ہے، نیز شہادت اور روایت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

تشریح

آٹھواں مسئلہ

تائب من الفسق راوی کی روایت اوراختلافِ علماء

قوله: تقبل رواية التائب من الفسق الخ

آٹھویں مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر راوی فسق میں مبتلا ہو، اور مجروح بالفسق ہو، پھراس کے بعد وہ فسق سے توبہ کرلے، تو توبہ کرنے کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں؟ مصنفؒ نے اس کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے۔

پہلی صورت

وہ فسق میں مبتلا ہے، لیکن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہیں کی، یعنی متهم بالكذب نہیں ہے، اگر ایسا شخص فسق سے توبہ کرلے، تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔

دوسری صورت

فسق کے ساتھ ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کے گناہ میں بھی مبتلا ہے، تو اس کی روایت کے سلسلے میں دو قول ہیں:

پہلا قول

حضرت امام شافعیؒ، امام حمیدیؒ، امام سمعانیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام صیرفیؒ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی خبر کو ہم جھوٹ کی وجہ سے ساقط کرتے ہیں تو ہم دوبارہ اس کی توبہ کی وجہ سے اس کی بات قبول نہیں کرتے، لہٰذا یہاں بھی قبول نہیں کریں گے۔

اسی طرح امام سمعانیؒ فرماتے ہیں کہ جو راوی کسی ایک حدیث میں جھوٹ بولے تو اس کی پچھلی تمام روایات ساقط ہو جائیں گی۔

مصنفؒ کا فیصلہ

قولہ: قلت: هذا كله مخالف الخ

دوسرا قول

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی، امام نوویؒ نے پہلے مسلک کی تردید میں فرمایا کہ یہ ہمارے اور دیگر ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے، اور اس کی دو وجہ بیان فرمائیں، ایک وجہ یہ ہے کہ جب کافر حالتِ کفر میں حدیث سنے، اور پھر اسلام لانے کے بعد وہ حدیث بیان کرے، تو بالاتفاق اس کی روایت مقبول ہوگی، حالانکہ فسق کا درجہ کفر سے کم ہے، لہٰذا فاسق کی روایت بھی توبہ کے بعد قبول ہوگی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام نوویؒ نے روایت کو شہادت پر قیاس کیا کہ جس طرح مذکورہ شخص کی گواہی توبہ کے بعد قبول کی جاتی ہے تو اس کی روایت بھی قبول کی جائے گی، کیونکہ روایت اور شہادت میں کوئی مضبوط اور قوی فرق نہیں ہے۔

روایت اور شہادت میں سات فرق

لیکن علامہ سیوطیؒ نے امام نوویؒ کی تردید کی ہے کہ آپ کا روایت کو شہادت پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے، اور تقریباً (۲۱) اکیس فرق بیان فرمائے ہیں، جن میں اہم فرق یہ ہیں:

(۱)....شہادت کے اندر دو کا عدد ضروری ہے، روایت میں نہیں۔

(۲)....شہادت میں مذکر ہونا ضروری ہے، شہادۃ النساء معتبر نہیں ہے سوائے چند مخصوص مسائل کے، جبکہ روایت میں مذکر ہونا ضروری نہیں۔

(۳)....شہادت میں آزاد ہونا ضروری ہے، روایت میں نہیں۔

(۴)....شہادت اپنے آپ کو نفع یا نقصان سے بچانے کے لیے معتبر نہیں ہے اور روایت مطلقاً معتبر ہے۔

(۵)....شہادت قاضی کی عدالت میں ضروری ہے، باہر معتبر نہیں، جبکہ روایت ہر جگہ معتبر ہے۔

(۶)....شہادت پر اجرت لینا حرام ہے اور روایت پر اجرت لینا جائز ہے۔

(۷)....راوی اگر متھم بالبدعة ہو، لیکن داعی الی البدعة نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے اور اگر داعی الی البدعة ہو تو غیر مقبول ہوتی ہے۔

یعنی روایت میں تفصیل ہے، جبکہ شہادت میں یہ فرق نہیں ہے کہ داعی ہو یا نہ ہو، بہر صورت اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے۔

متن

اَلتَّاسِعَةُ: إِذَا رَوٰى حَدِيْثًا ثُمَّ نَفَاهُ الْمُسْمِعُ فَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ إِنْ كَانَ جَازِمًا بِنَفْيِهِ بِأَنْ قَالَ: مَا رَوَيْتُهُ وَ نَحْوُهُ وَجَبَ رَدُّهُ وَ لَا يَقْدَحُ فِيْ بَاقِيْ رِوَايَاتِ الرَّاوِيْ عَنْهُ فَإِنْ قَالَ: لَا أَعْرِفُهُ أَوْ لَا أَذْكُرُهُ أَوْ نَحْوُهُ لَمْ يَقْدَحْ فِيْهِ. وَ مَنْ رَوٰى حَدِيْثًا ثُمَّ نَسِيَهُ جَازَ الْعَمَلُ بِهِ عَلَى الصَّحِيْحِ وَ هُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ مِنَ الطَّوَائِفِ خِلَافًا لِبَعْضِ الْحَنَفِيَّةِ وَ لَا يُخَالِفُ هٰذَا كَرَاهَةَ الشَّافِعِيِّ وَ غَيْرِهِ الرِّوَايَةَ عَنِ الْأَحْيَاءِ.

ترجمہ

نواں مسئلہ: جب کوئی ثقہ کسی دوسرے ثقہ سے حدیث روایت کرے، پھر مروی عنہ اس حدیث کی نفی کردے، مثلاً کہے کہ میں نے یہ حدیث اس سے روایت نہیں کی، یا اس نے مجھ پر جھوٹ بولا یا اس کے مثل کوئی اور لفظ کہہ دے، جو نفی میں صریح ہو تو متأخرین علماء کا مختار مسلک یہ ہے کہ اس حدیث کو ردّ کردیا جائے گا، اور اس ردّ کرنے سے راوی کی باقی روایات میں عیب نہیں آئے گا، لہٰذا اگر مروی عنہ یہ کہے کہ ''میں اس حدیث کو نہیں جانتا'' یا ''مجھے یاد

نہیں ہے" یا اس کی مثل کچھ اور کہے تو اس سے اس حدیث میں عیب پیدا نہیں ہوگا۔ اور جو راوی کوئی حدیث روایت کرے، اور پھر اس کو بھول جائے تو صحیح مذہب کے مطابق اس پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہ جمہورِ علماء کا قول ہے، بعض حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے، اور یہ مذہب امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء کے احیاء سے روایت کرنے کے ناپسندیدہ سمجھنے کے خلاف نہیں ہے۔

تشریح

نواں مسئلہ

مروی عنہ کا اپنی بیان کردہ حدیث سے انکار کا حکم

قوله: إذا روى حديثا ثم نفاه المسمع الخ

نویں مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ سے کوئی حدیث روایت کی، اس کے بعد مروی عنہ نے اس حدیث کا انکار کر دیا تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس میں مصنفؒ نے دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ مروی عنہ راوی کی روایت کا بالجزم انکار کر دے مثلاً کہے کہ "تم نے میری طرف جھوٹی نسبت کی ہے" یا "میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی ہے۔"

اس صورت میں حدیث کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں علماء کے چار اقوال ہیں!

(۱)...مختار مذہب یہ ہے کہ اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا، کیونکہ اس میں راوی اور مروی عنہ کے اقوال میں تعارض ہے اور اصل مروی عنہ منکر ہے۔

(۲)....ایسے راوی کی روایت کو ردّ نہیں کیا جائے گا، یہ قول امام سمعانیؒ اور امام شافعیؒ کا ہے، بلکہ علامہ ہندیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

(۳)....مروی عنہ کے انکار سے راوی کی اس حدیث میں کوئی عیب پیدا نہ ہوگا، لیکن راوی کے لئے یہ بھی جائز نہ ہوگا کہ وہ مروی عنہ کے انکار کے باوجود اس سے اس حدیث کو روایت کرے، امام ماوردیؒ اور امام رویانیؒ کا یہی مذہب ہے۔

(۴)....راوی اور مروی عنہ کے اقوال چونکہ متعارض ہیں، اس لئے وجوہِ ترجیح کے ذریعہ کسی ایک کے قول کو ترجیح دینے کے بعد فیصلہ ہوگا کہ وہ حدیث مردود ہے یا نہیں؟ یہ امام الحرمینؒ کا مذہب ہے۔

قوله : ولایقدح فی باقی الروایات الخ

سوال ہوتا ہے کہ جب اس کی یہ روایت مردود ہے تو آیا اس کی باقی روایات مقبول ہوں گی یا غیر مقبول ہوں گی، تو فرمایا کہ اس روایت کے ردّ ہو جانے کی وجہ سے بقیہ روایات میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا، اور وہ پہلے کی طرح مقبول ہوں گی، کیونکہ جرح دونوں جانب سے ہے، لہٰذا دونوں جرحیں ساقط ہو جائیں گی۔

دوسری صورت

مروی عنہ راوی کی روایت کا صراحۃً اور بالجزم انکار نہ کرے، بلکہ یہ کہے کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے تم کو حدیث روایت کی ہے یا نہیں کی؟ ایسی صورت میں اس کی روایت مردود نہیں ہوگی، اور اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا اور اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

من حدّث و نسی کا مسئلہ

قوله: ومن روی حدیثا ثم نسیه الخ

اگر کوئی عادل اور ثقہ راوی کوئی حدیث روایت کرے اور پھر وہ اس کو بھول جائے تو جمہور محدثینؒ، فقہاءؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ بعض حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ مذکورہ صورت میں اس حدیث کے غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی شریف میں ہے کہ:

"قضى باليمين مع الشاهد"(۱)

یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، اور یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، جس کے راوی عبدالعزیز دراوردی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی سہیل ہیں، میں نے ان سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے ربیعہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، اور وہ میرے نزدیک ثقہ ہیں، پھر میں نے جب ربیعہ سے معلوم کیا تو انہوا[illegible]کہا کہ مجھے یاد نہیں، یہ "حدّث ونسي" کی مثال ہے۔

قوله: ولايخالف هـ: كراهة الشافعيؒ الخ

مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ "مَنْ حدّث ونسي" والا مسئلہ حضرات امام شافعیؒ کے زندوں سے روایت کرنے کی کراہت کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ زندوں سے روایت کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں، اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ مروی عنہ نے آج تو حدیث بیان کردی، لیکن اگر کل اُس کا حافظہ خراب ہوگیا، تو پھر وہ اپنی ہی بیان کردہ احادیث کا انکار کرے گا، جس کے نتیجے میں وہ روایت مردود ہوجائے گی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ جو حضرات گزر گئے ہیں، ان سے حدیث روایت کرنی چاہیے، کیونکہ وہاں نسیان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(۱) أبوداؤد، ج۳ ص ۳۰۹، حديث نمبر ۳۶۱۰، باب القضاء باليمين والشاهد.

اور حضرت امام شافعیؒ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن عبدالحکم نے ایک حدیث روایت کی، پھر جب مجھ سے ذکر کی گئی تو میں نے کہا کہ مجھے تو یاد نہیں ہے، پھر بعد میں یاد آ گیا۔

اس وقت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زندوں سے روایت نہیں کرنی چاہئے، لہٰذا "مَنْ حدّث و نسی" والا مسئلہ امام شافعیؒ کے مذکورہ مسلک کے خلاف نہیں ہے۔

متن

اَلْعَاشِرَةُ: مَنْ أَخَذَ عَلَى التَّحْدِيْثِ أَجْرًا لاَ تُقْبَلُ رِوَايَتُهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَ إِسْحَاقَ وَ أَبِيْ حَاتِمٍ وَ تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِيْ نُعَيْمِ الْفَضْلِ وَ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَ آخَرِيْنَ وَ أَفْتَى الشَّيْخُ أَبُو إِسْحَاقَ الشِّيْرَازِيُّ بِجَوَازِهَا لِمَنْ امْتَنَعَ عَلَيْهِ الْكَسْبُ لِعِيَالِهِ بِسَبَبِ التَّحْدِيْثِ.

ترجمہ

دسواں مسئلہ: جو شخص حدیث بیان کرنے پر اُجرت لے، تو امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ بن راہویہ اور امام ابوحاتمؒ رازی کے نزدیک اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، اور امام ابونعیمؒ الفضل، علی بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے علماء کے نزدیک ان کی روایت مقبول ہوگی۔ اور شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے اس شخص کو لیے حدیث بیان کرنے پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جو کہ حدیث بیان کرنے کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے نفقہ پر قادر نہ ہو۔"

تشریح

حدیث پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

حدیث پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تین اقوال ہیں:

(۱)....امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ بن راھویہ اور امام ابوحاتم رازیؒ کے نزدیک حدیث پڑھانے پر اُجرت لینا جائز نہیں، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جو حدیث پڑھانے پر اُجرت لے، اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

(۲)....ابونعیم الفضل اور علی بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے علماء کے نزدیک اُجرت لینا جائز ہے۔

(۳)....تیسرے قول میں تفصیل ہے کہ اگر محدّث صاحبِ استطاعت ہے اور اسے کوئی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے، پھر اگر اُجرت لیتا ہے تو اس کی حدیث غیر مقبول ہوگی، لیکن اگر وہ ایسا شخص ہے کہ اس کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے، اور تحدیث میں مشغولی کی وجہ سے وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ کا محتاج ہے، تو پھر اسے اُجرت لینا جائز ہے اور اس کی حدیث مقبول ہوگی۔

راجح قول

امام نوویؒ کا رجحان تیسرے قول تیسرے قول کی طرف ہے اور علامہ سیوطیؒ نے بھی الفیہ میں تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفہیم الراوی ص ۱۷۶)

متن

اَلْحَادِيَةُ عَشَرَ: لَا تُقْبَلُ رِوَايَةُ مَنْ عُرِفَ بِالتَّسَاهُلِ فِيْ سِمَاعِهٖ أَوْ إِسْمَاعِهٖ كَمَنْ لَايُبَالِيْ بِالنَّوْمِ فِي السِّمَاعِ أَوْ يُحَدِّثُ لَا مِنْ أَصْلٍ مُصَحَّحٍ أَوْ عُرِفَ

بِقُبُوْلِ التَّلْقِيْنِ فِيْ الْحَدِيْثِ أَوْ كَثْرَةِ الشَّوَاذِّ وَ الْمَنَاكِيْرِ فِيْ الْحَدِيْثِ. قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَ أَحْمَدُ وَ الْحُمَيْدِيُّ وَ غَيْرُهُمْ: مَنْ غَلَطَ فِيْ حَدِيْثٍ فَبُيِّنَ لَهُ فَأَصَرَّ عَلَى رِوَايَتِهِ سَقَطَتْ رِوَايَاتُهُ، وَ هٰذَا صَحِيْحٌ إِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ أَصَرَّ عِنَادًا أَوْ نَحْوَهُ.

ترجمہ

گیارہواں مسئلہ: اس شخص کی روایت مقبول نہیں جو اپنے سماع یا اِسماع کے وقت تساہل اور سستی میں مشہور ہو، جیسے وہ شخص جو سماع کے دوران سونے میں حرج محسوس نہ کرتا ہو، یا وہ ایسی اصل سے حدیث سناتا ہو جس کی تصحیح نہ کی گئی ہو، یا وہ حدیث سنانے کے دوران تلقین قبول کرنے کیساتھ، یا اپنی روایات میں کثرتِ شواذ اور مناکیر کیساتھ معروف ہو۔ حضرت امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد، امام حمیدی اور دوسرے علماءؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص سے کسی حدیث میں غلطی ہوگئی، اور وہ غلطی اس کو بتائی گئی، لیکن اس نے اپنی روایت کردہ حدیث پر اصرار کیا (کہ میری بیان کردہ حدیث صحیح ہے) تو اس کی تمام روایات ساقط ہو جائیں گی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح قول ہے، بشرطیکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی روایت کردہ حدیث پر اصرار ضد وعناد وغیرہ کی وجہ سے کیا ہے۔

تشریح

گیارہواں مسئلہ

متساہل راوی کی روایت کا حکم

قولہ: لاتقبل رواية من عرف بالتساهل الخ

مسئلہ نمبر گیارہ کا سمجھنا ایک قاعدے کے سمجھنے پر موقوف ہے کہ جب کوئی راوی کسی ثقہ راوی سے روایت سنے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ جس طریقے سے اس نے وہ حدیث سنی ہے مِنْ وَعنْ اسی طرح بغیر کسی کمی وبیشی کے اس کو آگے بیان کرے، اوراس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اگر کوتاہی کرے گا تو اس کی روایات قابلِ قبول نہیں ہوں گی۔

یہ ایک ضابطہ ہے، اسی ضابطے کی روشنی میں مصنفؒ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے اوراس میں راوی اور مروی عنہ کی ان کوتاہیوں کا بطورِ نمونہ ذکر کیا ہے جن کے پائے جانے کی وجہ سے راوی کی روایت ساقط ہوجاتی ہے۔

مثلاً راوی اورمروی عنہ کے بارے میں یہ معلوم ہوکہ وہ حدیث پڑھنے پڑھانے میں لاپرواہی کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً شاگرد استاذ سے حدیث حاصل کرنے کے درمیان سوتا رہتا ہے، یا استاذ کے سامنے حدیث پڑھی جائے اوروہ اُونگنا شروع کردے، توان صورتوں میں اس کی روایت قبول نہیں ہوگی۔

یاوہ ایسی اصل سے حدیث بیان کرتا ہو جس کی تصحیح نہ کی گئی ہو، یعنی پہلے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ ہر محدث کی اپنی ایک اصل کتاب ہوتی تھی جس سے وہ دوسروں کو املاء کراتا تھا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی اصل کو استاذ کی اصل سے ملا کر تصحیح کرلے اور جس جگہ اعراب مشکل ہو وہاں اعراب لگالے، اگر ایسا کرے گا تو اس کتاب سے روایت املا کرانا صحیح ہے، ورنہ اس کی روایت قبول نہیں ہوگی۔

یا پھراس کی روایت کرنے میں بکثرت بھول ہوتی ہو، جبکہ وہ کتاب سے حدیث بیان نہ کرتا ہو، بلکہ زبانی بیان کرتا ہو، کبھی کچھ بیان کرتا ہواور کبھی کچھ، یا پھر اس کی روایت میں شذوذ اور منکر احادیث بہت زیادہ ہوں۔

یہ سارے اُمور ایسے ہیں جن کی وجہ سے راوی اور مروی عنہ سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور پھر اس کی روایت غیر مقبول ہو جاتی ہے، اسی لیے امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ تم کو حدیثِ شاذ بیان نہیں کرے گا مگر وہ آدمی جو خود شاذ ہوگا۔

غلطی بتانے پر بھی نہ ماننے کا حکم

قوله: قال ابن المبارک و أحمد الخ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام احمدؒ اور امام حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حدیث بیان کرنے میں غلطی کی، پھر اس کو بتایا گیا کہ تم نے غلطی کی ہے، لیکن اس نے اصرار کیا کہ میں صحیح حدیث بیان کر رہا ہوں، تو ایسے شخص کی تمام روایات ساقط ہو جائیں گی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے، لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ اس نے یہ انکار و اصرار ضد اور عناد کی وجہ سے کیا ہو، حقیقت کی وجہ سے نہ کیا ہو، کیونکہ غلطی پر اصرار کرنے والا شخص فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق کی روایت قبول نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کو اپنی روایت پر اطمینان ہے کہ میں بالکل صحیح بیان کر رہا ہوں، اور کوئی ضد اور عناد بھی نہیں ہے تو پھر اس کا اصرار کرنا اس کی روایت کو ساقط نہیں کرے گا۔

متن

اَلثَّانِيَةُ عَشَرَ: أَعْرَضَ النَّاسُ هٰذِهِ الْأَزْمَانَ عَنْ اِعْتِبَارِ مَجْمُوْعِ الشُّرُوْطِ الْمَذْكُوْرَةِ لِكَوْنِ الْمَقْصُوْدِ إِبْقَاءَ سِلْسِلَةِ الْإِسْنَادِ الْمُخْتَصِّ بِالْأُمَّةِ مَا يَلِيْقُ بِالْمَقْصُوْدِ وَهُوَ كَوْنُ الشَّيْخِ مُسْلِمًا بَالِغًا عَاقِلًا غَيْرَ مُتَظَاهِرٍ

بِفِسْقٍ أَوْ مُخِفٍّ فِيْ ضَبْطِهٖ بِوُجُوْدِ سَمَاعِهٖ مُثْبَتًا بِخَطٍّ غَيْرِ مُتَّهَمٍ وَبِرِوَايَتِهٖ مِنْ أَصْلٍ مُوَافِقٍ لِأَصْلِ شَيْخِهٖ وَ قَدْ قَالَ نَحْوَ مَا ذَكَرْنَاهُ الْحَافِظُ أَبُوْ بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ.

ترجمہ

بارھواں مسئلہ: اس زمانے میں لوگوں نے مجموعہ شروطِ مذکورہ کے اعتبار سے اعراض کیا ہے، کیونکہ ان شرائط سے مقصود سلسلۂ اسناد کو باقی رکھنا تھا جو امتِ محمدیہ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اب اُن ہی شرائط کا اعتبار ہوگا جو مقصود کے مناسب ہیں، وہ یہ ہیں کہ شیخ مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، کھلّم کھلاّ گناہ کرنے والا نہ ہو اور ایسی حرکات بھی نہ کرتا ہو جو مروّت کے خلاف ہوں اور اس کے ضبط کا اتنا اعتبار کیا جائیگا کہ اس کا سماع ثابت ہو ایسے خط کیساتھ جو متہم نہ ہو اور وہ ایسی اصل سے روایت کرتا ہو جو اسکے شیخ کی اصل کے موافق ہو اور یہی بات حافظ امام ابوبکر البیہقیؒ نے بھی ذکر فرمائی ہے۔

تشریح

بارھواں مسئلہ

اس مسئلے میں مصنفؒ نے دو باتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱)....متقدمین اور متاخرین کی تحدید

ایک اس میں متقدمین اور متاخرین کی تحدید کا ذکر ہے جو صراحۃً نہیں، لیکن ضمناً ہے کہ متقدمینِ محدثینؒ وہ ہیں جو تین سو ہجری سے پہلے کے ہیں اور متاخرینِ محدثینؒ اس کے بعد کے ہیں۔

(۲)....متقدمین ومتاخرین کے طریقۂ تدریس میں فرق

دوسرا مسئلہ امام نوویؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متقدمین کے زمانے میں حدیث پڑھانے کا طریقہ اور تھا، اور متاخرین کے زمانے میں اور ہے، متقدمین کے زمانے کا طریقہ یہ تھا کہ استاذ حدیث پڑھاتا تھا اور شاگرد سنتے تھے، اور متاخرین کے زمانہ میں شاگرد حدیث پڑھتے ہیں اور استاذ اس کی تقریر وتشریح کرتے ہیں، اسی فرق کی بنیاد پر یہاں یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ حضراتِ متاخرین فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں راوی کے اندر ان شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں جو متقدمین کے زمانے میں تھیں کہ راوی عادل ہونے کے ساتھ ساتھ تامّ الضبط بھی ہو اور وہ دس اسبابِ طعن سے بھی پاک ہو۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اب طریقۂ تعلیم بدل گیا ہے، پہلے زمانے میں کتابیں مدوّن نہیں تھیں، جو بھی محدّث ہوتا تھا وہ اپنے حافظے سے، یا اپنی اصل کتاب سے املاء کراتا تھا، اس لئے اس وقت تمام شرائط کا پایا جانا ضروری تھا، اور سن ۳۰۰ ہجری سے پہلے ہی کتابیں مدوّن ہونا شروع ہوگئیں تھیں، اس لئے ۳۰۰ ہجری کے بعد ان شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں رہا، اب اتنا ہی کافی ہے کہ راوی مسلمان، عاقل، بالغ ہو، علانیہ طور پر امورِ فسق اور خلافِ مروّت کاموں کا ارتکاب نہ کرتا ہو، اور ضبط میں اتنا کافی ہے کہ وہ یا تو کسی ایسی کتاب سے جس میں ردّوبدل کا اندیشہ نہ ہو، حدیث بیان کرے، یا پھر ایسی کتاب سے حدیث بیان کرے جو اصل کے موافق ہو، کیونکہ اب مقصود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سند کے ساتھ محفوظ ہوں جو اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، پچھلی امتوں میں کسی نبی کے ارشادات سند کے ساتھ محفوظ نہیں تھے، یہ صرف امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

اسی وجہ سے حافظ امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ بعض محدثینؒ نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ ایسے محدث بھی روایت کر سکتے ہیں جسے حدیث نہ زبانی یاد ہو، نہ قرأت صحیح کرتا ہو، اور نہ حدیث کے معنٰی جانتا ہو، لیکن وہ اپنے استاذ کی اصل کے موافق حدیث بیان کرتا ہو تو بھی کافی ہے، مزید کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔

متن

اَلثَّالِثَةُ عَشَرَ: فِیْ اَلْفَاظِ الْجَرْحِ وَ التَّعْدِیْلِ وَ قَدْ رَتَّبَهَا ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ فَاَحْسَنَ، فَاَلْفَاظُ التَّعْدِیْلِ مَرَاتِبُ: اَعْلَاهَا ثِقَةٌ اَوْ مُتْقِنٌ اَوْ ثَبْتٌ اَوْ حُجَّةٌ اَوْ عَدْلٌ حَافِظٌ اَوْ ضَابِطٌ. اَلثَّانِیَةُ: صَدُوْقٌ اَوْ مَحَلُّهُ الصِّدْقُ اَوْ لَا بَأْسَ بِهٖ قَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ: هُوَ مِمَّنْ یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ وَ یُنْظَرُ فِیْهِ وَ هِیَ الْمَنْزِلَةُ الثَّانِیَةُ وَ هُوَ کَمَا قَالَ لِاَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ لَا تُشْعِرُ بِالضَّبْطِ فَیُعْتَبَرُ حَدِیْثُهٗ عَلٰی مَا تَقَدَّمَ وَ عَنْ یَحْیَی بْنِ مَعِیْنٍ اِذَا قُلْتُ: لَا بَأْسَ بِهٖ فَهُوَ ثِقَةٌ وَلَا یُقَاوِمُ قَوْلُهٗ عَنْ نَفْسِهٖ نَقَلَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَهْلِ الْفَنِّ. اَلثَّالِثَةُ: شَیْخٌ فَیُکْتَبُ وَ یُنْظَرُ. اَلرَّابِعَةُ: صَالِحُ الْحَدِیْثِ یُکْتَبُ لِلْاِعْتِبَارِ.

ترجمہ

تیرھواں مسئلہ: الفاظِ جرح وتعدیل کے بیان میں ہے، اور امام ابن ابی حاتمؒ نے ان الفاظ کو مرتب کیا ہے، اور اچھی طرح مرتب کیا ہے

، چنانچہ الفاظِ تعدیل کے کئی مراتب ہیں، سب سے اعلیٰ الفاظ یہ ہیں: ثقة، متقن، ثبت، حجة، عدل حافظ، عدل ضابط. دوسرے درجے کے الفاظ یہ ہیں: صدوق، محله الصدق اور لاباس به ۔ امام ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ جس کے بارے میں مذکورہ الفاظ کہے گئے ہوں، وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی احادیث کو لکھا جاسکتا ہے، اور اس میں غور کیا جائے گا، اور یہ دوسرا درجہ ہے، اس لئے کہ یہ عبارات ضبط کی خبر نہیں دیتیں، اس لئے ان کی احادیث کا اعتبار ان حضرات کی احادیث کے ساتھ کیا جائے گا جو اس نوع کے شروع میں گزر گئے ہیں۔ اور امام یحییٰ بن معین سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں لاباس به کہوں تو وہ ثقہ ہوتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین کی اپنی اصطلاح ابن ابی حاتمؒ کی اہلِ فن سے نقل کردہ اصطلاح کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تشریح

تیرہواں مسئلہ

جرح وتعدیل کے الفاظ کے درجات

قوله: الثالثة عشر في ألفاظ الجرح والتعديل الخ.

اس مسئلے میں مصنفؒ نے ترتیب وار جرح وتعدیل کے الفاظ بیان فرمائیں ہیں، الفاظِ جرح کے بھی چار مراتب ہیں، اور الفاظِ تعدیل کے بھی چار مراتب ہیں، الفاظِ جرح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس درجے کے الفاظ جس راوی میں پائے جائیں

گے اسی درجے کے لحاظ سے وہ راوی مجروح ہوگا اور الفاظِ تعدیل کا مطلب یہ ہے کہ جس درجے کے الفاظ راوی میں پائے جائیں گے اسی درجے کے لحاظ سے وہ راوی ثقہ شمار ہوگا۔

الفاظِ تعدیل میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے، پہلے درجے کا لفظ سب سے زیادہ راوی کی توثیق کرتا ہے، پھر دوسرا درجہ کا لفظ اس سے کم، اور تیسرا درجہ کا لفظ اس سے کم، اور چوتھا درجہ کا لفظ سب سے ادنیٰ درجہ ہے جس سے راوی کے اندر معمولی ثقاہت پیدا ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کی حدیث کا درجہ طے ہوتا ہے۔

الفاظِ جرح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے، جس راوی میں ادنیٰ درجے کی جرح پائی جائے گی، اسی حساب سے اس کی روایت کے نا قابلِ قبول ہونے کا درجہ طے ہوگا، پھر دوسرے درجے میں اس سے زیادہ ضعف ہوگا، اور تیسرے اور چوتھے درجے میں اس سے بھی زیادہ ضعف ہوگا۔

اور یہ درجات ہر محدث نے اپنے علم وفضل کی روشنی میں مختلف بیان فرمائے ہیں، یہاں امام نوویؒ نے ابن ابی حاتمؒ کا قول اختیار فرمایا ہے، جس کو علامہ ابن الصلاحؒ نے ذکر کیا ہے، اس کی رُو سے یہاں چار درجات بیان فرمائے ہیں، جبکہ حافظ عراقیؒ اور امام ذہبیؒ نے پانچ درجات اور حافظ ابن حجرؒ نے چھ درجات اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق بیان فرمائے ہیں، یہ اس بحث کا خلاصہ ہے، تفصیل یہ ہے:

الفاظِ تعدیل کے چار مراتب

قولہ: فالفاظ التعدیل مراتب الخ

الفاظِ تعدیل کے چار مراتب ہیں:

الأولی: تعدیل میں سب سے اعلیٰ درجے کے الفاظ یہ ہیں:

ثقة، متقن، ثبت، حجة، عدل حافظ اورعدل ضابط

یہ الفاظ راوی کو عادل قرار دینے میں سب سے اعلیٰ درجے کے ہیں۔

الثانیة: دوسرے درجے کے الفاظ یہ ہیں:

صدوق، محله الصدق اورلاباس به

امام ابن ابی حاتمؒ نے فرمایا کہ جس راوی کے بارے میں یہ الفاظ کہے جائیں تو اسکی حدیث کولکھا جائے گا، اوراس میں غور وفکر کیا جائے گا، اور یہ دوسرا درجہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان الفاظ سے راوی کی عدالت کی طرف تو اشارہ ہوتا ہے کہ راوی نیک ہے، لیکن اس کے ضبط کی طرف اشارہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ الفاظ دوسرے درجے کے ہیں۔

قوله: وعن یحیی بن معین الخ

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض

آپ نے "لاباس به" کو الفاظِ تعدیل کے دوسرے درجے میں شمار کیا ہے، جبکہ امام یحییٰ بن معین نے اسے پہلے درجے میں شمار کیا ہے، اوران کے نزدیک "لاباس به" اور ثقہ میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ اگر میں کسی راوی کے بارے میں "لاباس به" کہوں تو وہ عادل ہوگا۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن معین بلاشبہ امام ہیں اور بہت عالی مقام پر فائز ہیں، لیکن ان کا یہ قول اپنی ذاتی رائے ہے اور امام ابن ابی حاتمؒ نے جو ذکر کیا ہے وہ ان کی اپنی ذاتی رائے نہیں، بلکہ اہلِ فن کی رائے ہے، لہٰذا امام یحییٰ بن معین کی اپنی

ذاتی رائے اہلِ فن کی رائے کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

الثالثة: تیسرے درجے کا لفظ ''شیخ'' ہے، جس راوی کے بارے میں یہ لفظ کہا جائے گا تو اس کی حدیث کو لکھا جائے گا اور اس میں غور وفکر کیا جائے گا۔

حافظ عراقیؒ نے اس میں تین لفظ مزید بڑھائے ہیں، محله الصدق، وسط اورحسن الحدیث۔

الرابعة: چوتھے درجے کا لفظ ''صالح الحدیث '' ہے۔

حافظ عراقیؒ نے اس میں بھی کچھ الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے جیسے ''صویلح'' ''ارجو'' ''لاباس به'' اور ''صدوق إنشاء اللّٰہ''

اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کی احادیث کو اعتبار کے لئے لکھا جائے گا، اور اصطلاح میں'' اعتبار'' فرد نسبی راوی کے لیے متابع اور شواہد کے تلاش کرنے کو کہتے ہیں، یعنی اسے متابع کی حیثیت سے لکھا جائے گا۔

متن

وَ أَمَّا أَلْفَاظُ الْجَرْحِ فَمَرَاتِبُ فَإِذَا قَالُوْا: لَيِّنُ الْحَدِيْثِ كُتِبَ حَدِيْثُهُ وَ يُنْظَرُ اِعْتِبَارًا وَ قَالَ الدَّارُ قُطْنِيْ: إِذَا قُلْتُ: لَيِّنُ الْحَدِيْثِ لَمْ يَكُنْ سَاقِطًا وَ لٰكِنْ مَجْرُوْحًا بِشَيْءٍ لاَ يَسْقُطُ عَنِ الْعَدَالَةِ. وَ قَوْلُهُمْ: لَيْسَ بِقَوِيٍّ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ وَ هُوَ دُوْنَ لَيِّنٍ، وَ إِذَا قَالُوْا: ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ فَدُوْنَ لَيْسَ بِقَوِيٍّ وَ لاَ يُطْرَحُ بَلْ يُعْتَبَرُ بِهِ، وَ إِذَا قَالُوْا: مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ أَوْ وَاهِيْهِ أَوْ كَذَّابٌ فَهُوَ سَاقِطٌ لاَ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ.

ترجمہ

اور الفاظِ جرح کے بھی کئی مراتب ہیں، پس جب علماءِ حدیث کسی راوی کے بارے میں "لیّن الحدیث" کہیں تو اعتبار کے لئے اس کی احادیث لکھی جائیں گی، اور اس میں غور وفکر کیا جائے گا، امام دارِ قطنیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کہوں کہ فلاں لیّن الحدیث تو وہ راوی میرے نزدیک ساقط نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایسے وصف کے ساتھ مجروح ہوتا ہے جو اس کی عدالت کو ساقط نہیں کرتا۔ اور علماءِ حدیث کا کسی راوی کے بارے میں "لیس بقویّ" کہنا "لیّن الحدیث" سے مرتبہ میں کم ہے اور اس کی حدیث کو لکھا جائے گا، اور جب "ضعیف الحدیث" کہیں تو یہ مرتبہ میں "لیس بقوی" سے کم ہے (یعنی تضعیف میں اس سے زیادہ ہے) اور ایسے راوی کی احادیث کو بالکلیہ ضائع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ اور جب علماء کہیں "متروک الحدیث" یا "واھی" یا "کذّاب" تو ایسا راوی ساقط ہوگا اور اس کی احادیث کو نہیں لکھا جائے گا۔"

تشریح

الفاظِ جرح کے چار مراتب

قولہ: و أما ألفاظ الجرح فمراتب الخ

جس طرح الفاظِ تعدیل کے چار مراتب تھے، اسی طرح الفاظِ جرح کے بھی چار مراتب ہیں:

پہلا درجہ

جب محدّثینؒ کسی راوی کے بارے میں "لیّن الحدیث" کہیں تو یہ الفاظ

جرح کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے، یعنی اس لفظ سے، سب سے کم ضعف پیدا ہوتا ہے، کیونکہ الفاظِ جرح میں ترقی من الأدنی إلی الأعلی ہوتی ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی حدیث کو لکھا جائے گا اور اعتبار کے لئے غور کیا جائے گا، اور امام دار قطنیؒ نے فرمایا کہ میں جب کسی راوی کے بارے میں "لیّن الحدیث" کہوں تو وہ نا قابلِ اعتبار نہیں ہوتا، لیکن ایسے وصف کیساتھ مجروح ہو جاتا ہے کہ جسکی وجہ سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، یعنی عادل رہتا ہے، اور جب عادل رہتا ہے تو اسکی روایت بھی قابلِ قبول رہتی ہے، لیکن قابلِ قبول ہونے کیساتھ قابلِ تحقیق ضرور ہوگی۔

دوسرا درجہ

حضرات محدثینؒ کا کسی راوی کے بارے میں "لیس بقوی" کہنا یہ "لیّن الحدیث" سے کم تر ہے، یعنی اس میں ضعف زیادہ ہے کیوں کہ الفاظِ جرح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے اور ایسے راوی کی حدیث صرف لکھی جائے گی، اعتبار کے لئے غور نہیں کیا جائے گا۔

تیسرا درجہ

جب مشائخ کسی راوی کے بارے میں "ضعیف الحدیث" کہیں تو یہ "لیس بقوی" سے بھی کم تر ہے، یعنی اس میں اور زیادہ ضعف ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی حدیث کو بالکلیہ نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ کسی درجے میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، یہ تیسرا درجہ ہوا۔

چوتھا درجہ

جب مشائخ کسی راوی کے بارے میں "متروک الحدیث" "واهی" یا "کذّاب" جیسے الفاظ کہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث کو بالکلیہ ترک

کر دیا جائے گا، نہ سنا جائے گا، نہ لکھا جائے گا اور نہ ہی تحقیق کی جائے گی۔

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ یہ "متروک الحدیث" وغیرہ الفاظِ جرح کے چوتھے درجے کے آخری الفاظ ہیں، اس کے شروع میں اور بہت سے الفاظ ہیں جنہیں امام نوویؒ نے ذکر نہیں کیا ہے، البتہ امام عراقیؒ نے ذکر کیا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:

رد حديثه، مردود الحديث، ضعيف جدا، واه بمرة، مطرح، مطرح الحديث، ليس بشيء، ارم به، لايساوى شيئا.

پھر اس کے بعد:

متروک الحديث، متروک تركوه، ذاهب، ذاهب الحديث، ساقط، هالک، فيه نظر، سكتوا عنه، لايعتبر به، ليس بالثقة، غيرثقة، و لامأمون، متهم بالكذب، كذّاب، دجّال، وضّاع، يضع الحديث، وضع الحديث.

متن

وَ مِنْ أَلْفَاظِهِمْ: فُلَانٌ رَوٰى عَنْهُ النَّاسُ، وَسَطٌ، مُقَارِبُ الْحَدِيْثِ، مُضْطَرِبٌ، لَا يُحْتَجُّ بِهٖ، مَجْهُوْلٌ، لَا شَيْءَ، لَيْسَ بِذَاکَ، لَيْسَ بِذَاکَ الْقَوِيِّ، فِيْهِ أَوْ فِيْ حَدِيْثِهٖ ضَعْفٌ، مَا أَعْلَمُ بِهٖ بَأْسًا، وَ يُسْتَدَلُّ عَلٰى مَعَانِيْهَا بِمَا تَقَدَّمَ.

ترجمہ

"اور الفاظِ جرح وتعدیل میں سے یہ الفاظ بھی ہیں: فلان روى

عنه الناس، وسط، مقارب الحديث، مضطرب، ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا، مجهول، لاشيء، ليس بذاک، ليس بذاک القوی، فیه أو فی حدیثه ضعف، اورما أعلم به بأسا۔ اور ماقبل کی تفصیل کے مطابق انکے معانی پراستدلال کیا جائے گا۔

تشریح

مشترک الفاظِ جرح وتعدیل

یہاں امام نوویؒ نے مشترک الفاظ جرح وتعدیل بیان فرمائے ہیں، جن کا درجاتِ بالا میں سے بعض کا بعض کے ساتھ تعلق ہے، یعنی بعض الفاظِ جرح ہیں، ان کا بعض درجاتِ جرح سے تعلق ہے اور بعض الفاظِ تعدیل ہیں ان کا بعض درجات تعدیل سے تعلق ہے، مثلاً، فلان روی عنه الناس، وسط، مقارب الحدیث، ان تینوں کا الفاظِ تعدیل کے تیسرے درجے سے تعلق ہے۔

مضطرب، لایحتج به، مجهول، ان کا الفاظِ جرح کے تیسرے درجے سے تعلق ہے، اور لاشیء کا تعلق جرح کے چوتھے درجہ سے ہے اور لیس بذاک، لیس بذاک القوی، فیه أو فی حدیثه ضعف، یہ الفاظِ جرح کے پہلے درجے میں ہے، اور "ماأعلم به بأسا" اس کا تعلق تعدیل کے آخری درجے سے ہے، ماقبل کی تفصیل کے مطابق ان کے سمجھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم

تمّت بالخیر

وصلّى الله تعالٰى علَى النّبیّ الکریم محمّد

وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین إلٰی یوم الدّین

○

حوالہ جات

نام کتاب	مصنف	ناشر	جلد	سن طباعت	اسم المحقق
الصحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری الجعفی المتوفی ۲۵۶ھ	دار ابن کثیر الیمامۃ	۲	۱۹۸۷،۱۴۰۷	مصطفیٰ دیب البغا
الصحیح المسلم	مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ	داراحیاء التراث العربی	۵		محمد فواد عبدالباقی
جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ	داراحیاء التراث العربی	۵		احمد محمد شاکر وآخرون
سنن ابی داود	ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ	دار الفکر	۴		محمد محی الدین عبدالحمید
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۵ھ	دار الفکر	۲،۱ جز ا ۲		محمد فواد عبدالباقی
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب المتوفی ۳۰۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ	۸	۱۹۸۶،۱۴۰۶	عبدالفتاح ابوغدہ
سنن المأثورۃ للشافعی	محمد بن ادریس الشافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ	دار المعرفۃ	۱	۱۴۰۶ھ	عبدالمعطی آمین قلعجی
مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد المتوفی ۲۳۵ھ	مکتبۃ الرشد	۷	۱۴۰۹ھ	حبیب الرحمٰن الاعظمی

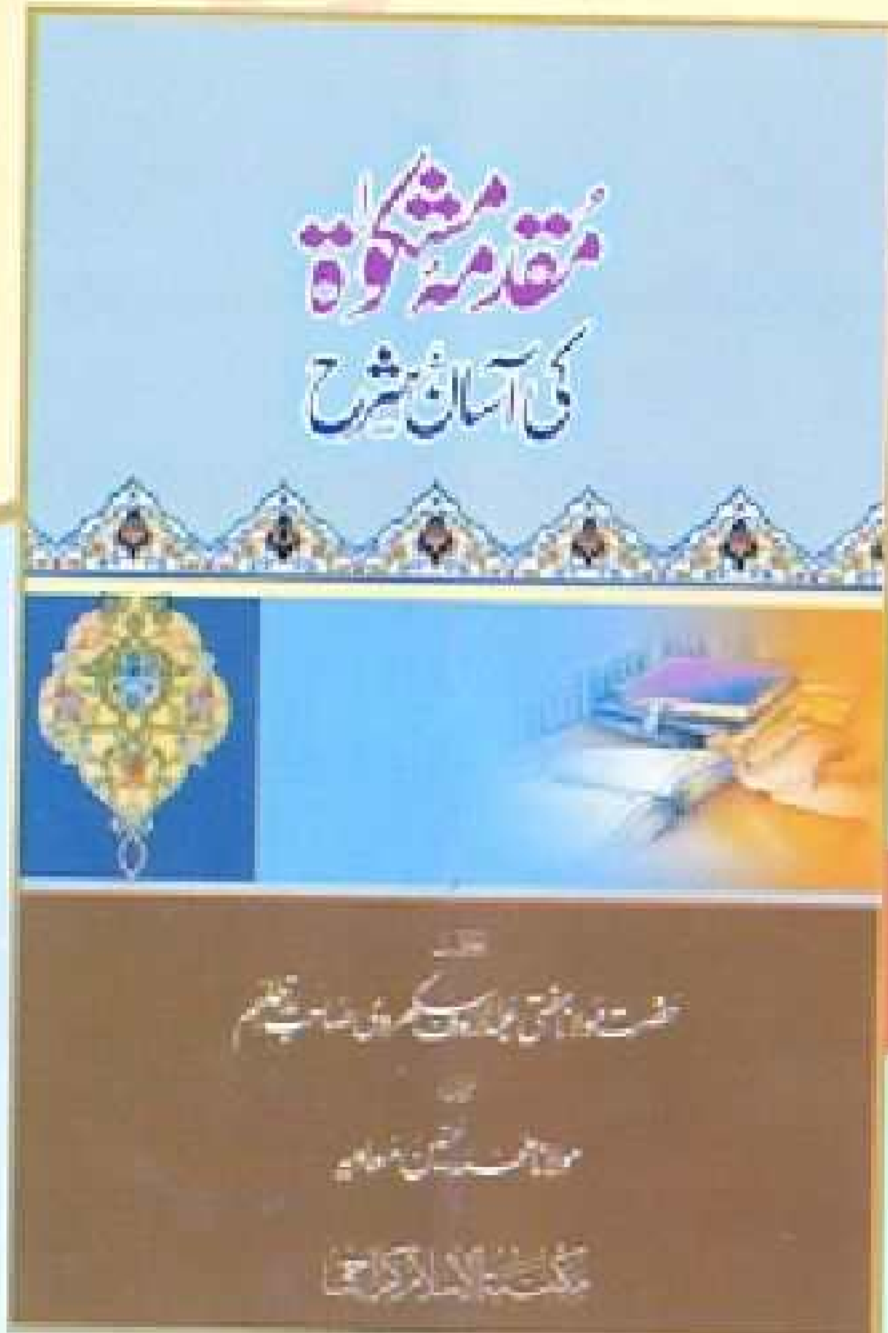
مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ	المکتبۃ الاسلامی	۱۱	۱۴۰۳ھ	محفوظ الرحمٰن زین اللہ
مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ	موسسہ قرطبہ	۶		ارشاد الحق اثری
مسند ابی عوانہ	امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی المتوفی ۳۱۶ھ	دار المعرفۃ			کمال یوسف الحوت
مسند بزار	ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق البزار المتوفی ۲۹۲ھ	موسسہ علوم القرآن	۱۰	۱۴۰۹ھ	محفوظ الرحمٰن زین اللہ
شعب الایمان للبیہقی	امام ابوبکر البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ	۷		محمد سعید بسیونی زغلول
نصب الرایۃ	عبداللہ بن یوسف ابومحمد الحنفی الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ	دار الحدیث مصر	۱۰	۱۳۵۷ھ	علامہ سید محمد یوسف البنوریؒ

مقدمہ مشکوٰۃ کی آسان شرح

درسِ نظامی کے درجہ موقوف علیہ میں مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے فنِ اصولِ حدیث میں "مقدمہ مشکوٰۃ" درساً پڑھایا جاتا ہے، جو بہت مختصر اور جامع ترین ہے، اب تک اردو زبان میں اس کی آسان اور عام فہم شرح دستیاب نہیں تھی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب ظلہم کے ہاں عرصہ سے مشکوٰۃ شریف مع "مقدمہ مشکوٰۃ" زیرِ درس ہے، حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے مشکل کتب اور مباحث کو اختصار و جامعیت کے ساتھ نہایت سہل انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت سے نوازا ہے، اسی وجہ سے طلباء میں آپ کا درس مقبول ہے، چنانچہ طلباء کی فرمائش پر "مقدمہ مشکوٰۃ" کے دروس کو باقاعدہ مرتب کرکے اور حضرت والا کی نظرِ ثانی کے بعد "مقدمہ مشکوٰۃ کی آسان شرح" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اساتذۂ کرام، طلباء، اور طالبات کے لئے ماشاء اللہ یہ ایک آسان اور عام فہم شرح ہے، جس میں اس کتاب کی مباحث کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے، اور اس میں درج ذیل خصوصیات ہیں:

- ★ "مقدمہ مشکوٰۃ" کے متن کی صحت کا مع اعراب خاص اہتمام کیا گیا ہے۔
- ★ متن کا سلیس اور عام فہم اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔
- ★ ہر فصل کا سہل انداز میں جامع خلاصہ بیان کیا گیا ہے، جس سے اس کا سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔
- ★ علمِ اصولِ حدیث کی اصطلاحات کی تعریف آسان انداز میں کی گئی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے اب "مقدمہ مشکوٰۃ" کا پڑھنا اور پڑھانا آسان ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے طلباء کو بہت جلد علمِ اصولِ حدیث سے مناسبت ہو جاتی ہے اور شرح نخبۃ الفکر کا پڑھنا بھی کچھ مشکل نہیں رہتا۔





مکتبۃ الاسلام کراچی

موبائل : 0300-8245793
ای میل : Maktabatulislam@gmail.com
ویب سائٹ : Www.Maktabatulislam.com